

فرعون کی شہابی



<http://paksanipublishing.com>

پاکستانی پوائمنٹ

پاکستان کی سب سے بڑی پوائمنٹ

پاکستان کی سب سے بڑی پوائمنٹ

پاکستان کی سب سے بڑی پوائمنٹ



موسیقی کا تعلق ————— ۲
تاریخ کی پراسرار اور سچی داستان

فرعون کی تباہی

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز،
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

جلد حقوق بحق پیدائش محفوظ

مطالعہ : شیخ نیاز احمد

مطبع : غلام علی پرنٹرز

جامعہ اشرفیہ احمدیہ، لاہور

قیمت : RS. 10.00

مقام اشاعت :

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشنگز

۱۹۹ - سرکر روڈ، چوک انارکلی، لاہور ۵۴۰۰۰/۲

ISBN - 969 - 31 - 0365 - 3

فہرست

قدرت کا انتقام
سنگ دل بینی بال
ویران شہر
شاہی جاسوس
فرعون کی تباہی
قاتلانہ حملہ
اسے آگ میں ڈال دو
انسانی قربانی
طلالہ کی روح
آسانی آگ

سنو پیارے بچو !

عنبر ایک ادبانی جہاز پر سوار ملک مصر سے روانہ ہوا تھا۔ اُسے دُعا ملتی تھی کہ وہ کبھی نہیں مرے گا۔ لوگ بوڑھے ہو کر مر جائیں گے مگر وہ ہمیشہ جوان رہے گا۔ اس کو تموار ہلاک نہیں کر سکے گی۔ اُس کا خون نہیں نیچھے گا اُس کا زخم اپنے آپ رُبڑ کی طرح بند ہو جائے گا۔ وہ ساری رات سمندر میں سفر کرتا رہا۔ دن پڑھا تو افریقہ کے ساحل پر اُتر گیا۔ اُس نے ایک بستی میں جا کر کچھ خریدنا چاہا۔ فرعون مصر کے سونے کے سکے دیے تو لوگ حیران رہ گئے۔ ایک آدمی نے کہا :

”یہ سکتے تو ایک ہزار سال پرانے ہیں !“

دوستو! عنبر ایک ہی رات میں جہاز میں سوئے سوئے ایک ہزار سال آگے نکل گیا تھا۔ ایک ہزار برس گزر گئے تھے اور اس کی صرف ایک رات ہی گزری تھی۔ وہ ہینی بال کے دربار میں جاتا ہے۔ فرعون سے بدلہ لینے کے لیے ملک مصر پر حملہ کرتا ہے۔ اُس پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے۔ ہینی بال ایک معصوم لڑکی کو بعل دیوتا کے آگے قربان کر کے آگ میں ڈالنا چاہتا ہے۔ مگر راتوں رات اُس لڑکی کو بچا کر قلعے سے بھاگ جاتا ہے۔ فوج پھینچا کرتی ہے۔ وہ پکڑے جانے والے ہوتے ہیں کہ طلالہ کی رُوح آسمان سے بجلی گرا کر فوج کو بھسم کر دیتی ہے۔ عنبر ملک نو بیہ میں داخل ہوتا ہے اور اس کی ملکہ سے ملاقات کرتا ہے۔ ہینی بال ملکہ کے ملک پر حملہ کر دیتا ہے۔ عنبر اس کی مدد کرتا ہے اور ملکہ کی موت کے بعد دشمنوں میں گھر جاتا ہے۔ طلالہ کی رُوح اسے قید سے نکالتی ہے اور وہ رات کے اندھیرے میں فرار ہو کر نرود کے ملک کو روانہ ہو جاتا ہے۔

قدرت کا انتقام

عینز کو دیوی نے دُعا یا بدعا دی تھی کہ وہ کبھی نہیں مرے گا۔
 وقت گزرتا چلا جائے گا۔ لوگ پیدا ہوں گے اور بوڑھے ہو
 کر مر جائیں گے۔ قویں اُبھریں گی اور مٹ جائیں گی۔ بادشاہ تخت
 پر بیٹھیں گے اور ایک ایک کر کے تخت چھوڑ کر مقبروں میں دفن
 ہوتے جائیں گے۔ مگر عینز کو موت نہیں آئے گی۔ وہ ہر حکومت میں
 ہر ملک میں ہر مقام میں ہر بادشاہ کے دور میں زندہ رہے گا۔ اگر وہ کچھ کھانا
 چاہے تو کھا سکتا ہے۔ پینا چاہے پی سکتا ہے۔ مگر نہ اُسے کبھی
 بھوک لگے گی اور نہ پیاس لگے گی۔ وہ ہمیشہ جوان رہے گا۔ اس کے
 چہرے پر بھڑیاں نہیں پڑیں گی۔ اُس کے بال سفید نہیں ہوں گے۔ اُس
 کی کمر کبھی نہیں ٹھکے گی۔ وہ کبھی بوڑھا نہیں ہوگا۔ وہ کبھی نہیں مرے
 گا۔

پیارے دوستو! آپ اس کتاب کے پہلے حصے میں پڑھ چکے ہیں
 کہ مصر کا جلا وطن شہزادہ عینز اپنے چچا فرعون اخاتون اور والدہ ملک
 نفریتی کے قتل کے بعد مصر سے ایک بحری جہاز میں سوار ہو کر بھاگ
 گیا۔ دیوی کی آواز نے اُسے کہا تھا کہ وہ دریائے نیل کے کنارے

پہنچ جائے۔ وہاں ایک جہاز اُسے تیار ملے گا جو اُسے مصر سے فرار ہونے میں مدد دے گا۔ عبیز دریا پر پہنچ گیا۔ وہاں ایک چھوٹا سا بادبانی جہاز اس کا انتظار کر رہا تھا۔ جہاز کے کپتان نے اُسے جہاز پر سوار کرایا۔ جہاز پر ملاح اپنا اپنا کام کر رہے تھے۔ کسی ملاح نے عبیز سے کوئی بات نہ کی۔ عبیز نے جس ملاح سے بھی کوئی بات پوچھی جواب میں وہ ملاح صرف مسکرا کر خاموش ہو جاتا۔ جہاز کا کپتان بھی خاموش تھا اور اپنا کام کر رہا تھا۔ عبیز سوچنے لگا یہ لوگ کیسے ہیں کہ اُس سے کوئی بات نہیں کرتے اور اپنے اپنے کام میں لگے ہیں۔ جہاز کھلے سمندر میں پہنچا تو بات ہو گئی۔ عبیز نے سوچا کہ صبح اٹھ کر وہ جہاز کے کپتان سے مل کر ضرور پوچھنے کی کوشش کرے گا کہ یہ جہاز کدھر جا رہا ہے اور ملاح اُس سے بات کیوں نہیں کرتے؟

رات کو وہ کچھ دیر بادبانی جہاز کے عرشے پر کھڑا سمندر کی لہروں کو اندھیرے میں دیکھتا رہا۔ پھر وہ اپنے چھوٹے سے کمرے میں جا کر فرش پر قالین بچھا کر سو گیا۔ صبح اُس کی آنکھ کھل تو کمرے کے گول سوراخ میں سے دھوپ اندر آ رہی تھی۔ وہ جلدی جلدی منہ اٹھ دھو کر اوپر آیا۔ پہلی بات اُسے یہ محسوس ہوئی کہ اُسے بھوک نہیں محسوس ہو رہی تھی؛ حالانکہ ہر روز صبح اُسے بھوک لگتی تھی اور وہ ناشتہ کرتا تھا۔ مگر اُس روز اُسے بالکل بھوک محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ طبیعت بھی ہر طرح سے ہشاش بشاش تھی۔ وہ جہاز

کے عرشے پر آگیا۔ یہاں ایک بھی ملاح نہیں تھا۔ وہ جہاز کے کپتان کے کمرے میں گیا۔ وہاں ہر شے موجود تھی مگر کپتان موجود نہیں تھا۔ وہ بھاگ کر نیچے گیا جہاں غلام حبشی قطاروں میں بیٹھے چپو پھلایا کرتے تھے۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ چپو سمندر میں اپنے آپ پھل رہے تھے مگر حبشی ملاح ایک بھی نہیں تھا۔ غمب کو پسینہ آگیا۔

اے رب عظیم! یہ ماہرا کیا ہے؟

اس نے سارا جہاز گھوم پھر کر دیکھا۔ وہاں سوائے اس کے اور کوئی انسان موجود نہ تھا۔ تو کیا وہ جہاز پر اکیلا رہ گیا تھا؟ آخر یہ سارے ملاح اور کپتان کہاں چلے گئے؟ رات کو تو سب کے سب جہاز پر موجود تھے۔ سمندر کی لہریں بڑی پُر سکون تھیں اور جہاز کے بادبان کھلے تھے اور وہ اپنے آپ کسی نامعلوم منزل کی طرف سمندر میں بہا چلا جا رہا تھا۔ غمب سر کو پکڑ کر بادبان کے لکڑی کے موٹے کھمبے کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ یہ راتوں رات دنیا کیسے بدل گئی تھی؟ اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ کہ وہ بحری جہاز پر اکیلا رہ گیا ہے اور وہاں ایک بھی ملاح موجود نہیں ہے۔ کیا دیوی کی بددعا سچ ثابت ہو رہی تھی؟ کیا وہ ہمیشہ کے لیے زندہ اور غیر فانی ہو گیا تھا؟ وہ اُسٹھ کربے پختی کے عالم میں لکڑی کے فرش پر ٹھٹھنے لگا۔ وہ کہاں جا رہا تھا؟ کس طرف جا رہا تھا۔ وہ جہاز کے کپتان کے کمرے

میں آگیا۔ اُس نے قطبِ بنا کو دیکھا۔ بادبانی جہاز جنوب مشرق کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ بہت جلد افریقہ کے کسی ملک کے ساحل پر لگنے والا تھا۔

اچانک اُسے ایک چیخ کی آواز سنائی دی۔ وہ مہلک کر اوپر عرشے پر آیا۔ جہاز کے اوپر گدھ کی شکل کا ایک بہت بڑا پرندہ پر پھیلانے منڈلا رہا تھا۔ وہ رُک رُک کر بڑی جھپٹاؤں سے چمچ رہا تھا۔ غنہ بادبان کے کعبے کے ساتھ لگا سے حیرت سے دیکھتا رہا۔ کچھ دیر جہاز کے اوپر منڈلانے کے بعد پرندہ اُسے اُوپر اُڑتا ہوا غائب ہو گیا۔ غنہ نیچے آگیا۔ اسے جوک ہوا سوس نہیں ہو رہی تھی۔ پھر بھی اُس نے غارت سے مجبور ہو کر اپنے کمرے میں جا کر جوک کی سوکھی روٹی مرغابی کے بھنے ہوئے گوشت کے ساتھ کھائی اور قالین پر لیٹ کر غور کرنے لگا۔ اس نے ساتھ کیسا واقعہ پیش آ رہا تھا۔

غور کرتے کرتے اُسے نیند آگئی اور وہ سو گیا۔ جب وہ اُٹھا تو شام ہو رہی تھی۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ سارا دن سو رہا تھا۔ جہاز اسی رفتار کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ سمندر پر رات کے سائے پھیلنے لگے تھے۔ جہاز کے بادبانوں میں ہوا بھری ہوئی تھی اور نیچے اُس کے چپو اپنے آپ چل رہے تھے۔ کچھ دیر وہ عرشے پر کھڑا سمندر میں سورج کو غروب ہوتے دیکھتا۔ پھر اپنے

کمرے میں آکر بستر پر لیٹ گیا۔ اُس نے موسم کی شمع روشن کر لی تھی جس کی دھندلی روشنی میں وہ بستر پر لیٹا گزرے ہوئے زمانے اور آنے والے وقت کے بارے میں غور کر رہا تھا۔ جانے رات کتنی دیر تک وہ بستر پر لیٹا پہلو بدلتا رہا۔ پھر وہ گہری نیند میں کھو گیا۔ صبح دن چڑھے وہ اُٹھا اور عرشے پر آکر ایک بار پھر ”وہ کھڑا ہو کر سمندر کا نظارہ کرنے لگا۔

سمندر کا رنگ مٹیالا ہو گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کسی دریا کا پانی اُس میں شامل ہونا شروع ہو گیا تھا اور وہ زمین کے قریب پہنچنے والا تھا۔ ایک پہر گزرنے کے بعد آسمان پر مرغابیوں نے چکر لگانا شروع کر دیا۔ یہ بھی اس بات کا اشارہ تھا کہ زمین قریب ہے۔ دوپہر کے بعد عینز کو دور ساحل کی لکیر نظر آئی۔ جہاز دھیمی رفتار کے ساتھ ساحل سمندر کی طرف اپنے آپ بڑھ رہا تھا۔ شام تک عرشے پر کھڑا وہ زمین کی کالی لکیر کو قریب آتے دیکھتا رہا۔ جب رات ہو گئی اور وہ تھک گیا تو نیچے اپنے کمرے میں آکر بستر پر گر پڑا اور سو گیا۔ اکیلے جہاز میں اُسے کسی وقت غوث بھی محسوس ہوتا تھا۔ اگلے روز سورج نکلنے کے بعد عینز کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے مرغابیوں کی آوازیں سُنیں۔ وہ پک کر اوپر عرشے پر آ گیا۔ یہ دیکھ کر اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی کہ اُس کا جہاز اپنے آپ رُک گیا تھا اور کوئی دو فرلانگ کے فاصلے پر ساحل تھا۔ جہاں ناریل

کے درختوں کے جھنڈ دھوپ میں چمک رہے تھے۔
وہ خیران ہو رہا تھا کہ جہاز سمندر میں اپنے آپ کیسے کھڑا
ہو گیا۔

اُس نے پانی میں کشتی اُتاری اور اُس میں سوار ہو کر اُسے کھیتا
ہوا ساحل کی طرف چل پڑا۔ اپنا جھولا اور تلوار اُس نے گلے میں لٹکا
رکھی تھی۔ جھولے میں جو کی خشک روٹی کا ایک ٹکڑا تھا اور فرعون مصر
کے سونے کے چند سکتے تھے۔ ساحل پر پہنچ کر اُس نے کشتی ایک
طرف کیسٹھ کر کنارے کے درخت سے باندھ دی۔ ساحل ویران پڑا
تھا۔ اُسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ جہاں وہ اُتر رہا ہے وہ کسی جزیرے
کا ساحل ہے یا کسی نئے ملک کا کنارہ ہے۔ ایک کچھا راستہ جنگل کے
زیچ میں سے جا رہا تھا۔ اس راستے کو دیکھ کر عنصر کو معلوم ہوا کہ
وہاں سے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ راستے پر گھوڑوں کے سگموں
کے نشان بھی تھے۔ اب وہ بڑا ہوشیار ہو کر چلا جا رہا تھا۔ کیونکہ
اُسے کوئی خبر نہیں تھی کہ وہ جس علاقے میں جا رہا ہے وہ دشمن
کا علاقہ ہے یا وہاں آدم خور وحشی آباد ہیں۔ چلتے چلتے وہ جنگل
سے باہر نکل آیا۔ اب اُس کے سامنے کہی گاؤں کی بستی کا ایک
چھوٹا سا بازار تھا جہاں ننگ دھڑنگ حبشی بچے مٹی میں کھیل رہے
تھے۔ دکانوں پر سیاہ نام حبشی بیٹھے تھے۔ کالی کالی حبشی عورتیں
پھیریں خرید رہی تھیں۔ عنصر بازار میں سے گزر رہا تھا۔ اُس نے

عموس کیا کہ لوگ اُس کے مصری لباس کو عجیب و غریب نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔

دو چار بچے اُس کے سینے رنگ کے لمبے کرتے کو دیکھ کر اُس کے پیچھے آیاں بجائے لگے۔ عنبر کچھ گھبرا گیا اور ایک دکان کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ اُس دکان پر تیرکمان بک رہے تھے۔ عنبر نے دیکھا کہ یہ تیرکمان کسی سنہری دھات کے تھے جبکہ مصر میں جہاں سے وہ آ رہا تھا۔ سیاہ دھات کے تیرکمان استعمال ہوتے تھے۔ وہ اسی ادھیڑ بُن میں تھا کہ حبشی دکاندار نے اپنی زبان میں کچھ پوچھا۔ عنبر وہ زبان نہ سمجھ سکا۔ عنبر نے اشاروں میں تیرکمان کی قیمت پوچھی۔ دکاندار نے ہاتھ سے کچھ اشارہ کیا۔ عنبر نے جیب سے سونے کے چند سکے نکال کر اُس کے آگے رکھ دیے تاکہ اُسے جتنے سکوں کی ضرورت ہونے لے۔ دکاندار سکوں کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اُس نے فوراً آواز دے کر ساتھ کے دکانداروں کو اکٹھا کر لیا۔ سبھی سونے کے سکوں کو حیرانی سے دیکھنے لگے۔ آخر ایک بوڑھا حبشی آگے بڑھا۔ اور اُس نے ٹوٹی پھوٹی پرانی قبلی زبان میں عنبر سے پوچھا :

”یہ سکتے تم نے مصر کے کون سے اہرام سے کھودے ہیں؟“

عنبر نے کہا کہ وہ تو ابھی دو روز پہلے مصر سے سکے جیب میں ڈال کر پلا ہے۔ اُس نے کسی اہرام سے نہیں کھودے۔ بلکہ اپنے گھر سے لیے ہیں۔ بوڑھا آدمی سکتے میں آگیا۔ اُس نے کہا :

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ سونے کے سکے تو آج سے ایک ہزار برس پہلے مصر کے فرعون اخناتون کے زمانے میں پلا کرتے تھے ؟
عنبر پر گویا بجلی سی گری۔ تو کیا وہ ایک ہزار سال آگے نکل آیا ہے ؟ کیا اُس کے چچا فرعون اخناتون اور والدہ منک نفریتی کو مرے ایک ہزار سال گزر چکے ہیں ؟ وہ راسی میرانی میں تھا کہ حبشی بوڑھا بولا :

"اے نوجوان مصری، تم کہاں سے آرہے ہو ؟"
"مصر کے شہر تھیبس سے، وہاں میرا گھر ہے ؟"
"مگر مصر کے شہر تھیبس کو تباہ ہوئے ایک ہزار سال گزر گئے ہیں۔ اُس کے تو محض کھنڈر اب باقی ہیں۔ اب تو مصر کا دارالسلطنت میمفس شہر ہے ؟"

عنبر کو چکر آگیا۔ وہ ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ دکاندار اُسے تعجب سے تک رہے تھے۔ بوڑھے حبشی نے کہا :

"تم مصر کے شہر سے کب روانہ ہوئے تھے ؟"
"میں پر سول بادبانی جہاز پر بیٹھ کر دہاں سے چلا تھا ؟"
"تمہارا جہاز کہاں ہے ؟"

"سمندر کے کنارے کھڑا ہے۔"
بوڑھے حبشی نے اس وقت کچھ لوگوں کو سمندر کی طرف دوڑایا کہ جا کر دریافت کرو سمندر کے کنارے کوئی جہاز کھڑا ہے ؟ تھوڑی

دیر بعد اُنہوں نے آکر بتایا کہ سمندر دُور دُور تک خالی ہے ۔
 وہاں کوئی جہاز تو کیا ایک کشتی تک نہیں ہے ۔

عینبر نے کہا :
 مگر میں تو ابھی ابھی جہاز کو سمندر کے کنارے پھوڑ کر آیا

ہوں ؟
 بوڑھے حبشی نے محسوس کیا کہ نوجوان مصری کا دماغ ٹھکانے
 نہیں رہا ۔ اُس نے عینبر کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا :
 بیٹا ، تم یہاں بیٹھ کر تربوز کا ٹھنڈا پانی پیو ۔ شاید تمہارے
 دماغ میں گرمی چڑھ گئی ہے ؟

”لیکن — لیکن میں آپ سے بالکل سچ کہہ رہا ہوں ۔ میں پرسوں
 مصر کے شہر ہتیمیس سے بادبانی جہاز میں بیٹھ کر چلا تھا ۔ وہاں میرے
 چچا فرعون اخناتون کو سپہ سالار نے قتل کر دیا تھا اور...
 سارے دکاندار قہقہہ لگا کر ہنس پڑے ۔ بوڑھے حبشی نے کہا :

”اُسے نوجوان تمہارے پاگل ہونے میں اب کوئی شبہ نہیں رہا ؛
 کیونکہ اخناتون اور اُس کی ملکہ نفرتی کو قتل ہونے ایک ہزار سال
 گزر چکے ہیں ۔ اُن کی قبریں بھی ابرام کے اندر پرانی ہو گئی ہیں ۔
 جس سپہ سالار تہران نے انہیں قتل کر کے تخت پر قبضہ کیا تھا
 اُس کی ہڈیاں بھی قبر میں گل مٹر گئی ہیں ؟
 عینبر نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا :

” تو مصر پر کس کی حکومت ہے ؟“

” ابوسمبل کے پڑپوتے کی جو ایک کمزور حکمران ہے اور اشوری حملہ آوروں کی زد میں رہتا ہے۔ سر کی حکومت کمزور ہو کر زوال کی طرف جا رہی ہے۔“

عنبہ کو یقین ہو گیا تھا کہ دیوی کی دُعا یا بدعا سچ ہو گئی ہے اور بادبانی جہاز میں سفر کرتے کرتے وہ ایک ہزار سال آگے نکل آیا ہے۔ سب لوگ مر کھپ گئے ہیں۔ مگر وہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ یہ بات وہ کسی کو بتانا نہیں چاہتا تھا۔ اتنے میں بازار میں شور مچا اور لوگ بھاگ کر ادھر ادھر بھٹ گئے۔ ایک گھوڑ سوار فوجی لباس میں وہاں آ کر رُک گیا۔

” یہاں کیا ہو رہا ہے ؟“
بوڑھے حبشی نے جھک کر کہا :

” اے معزز سردار، یہ نوجوان کہتا ہے کہ یہ فرعون اخناتون کے مصر سے یہاں آ رہا ہے ؛ حالانکہ فرعون اخناتون کو مرے ایک ہزار سال گزر چکے ہیں۔ اس کے پاس فرعون اخناتون کے دور کے سونے کے سکتے بھی ہیں جو آج کل کہیں نہیں پھلتے۔“
حبشی سردار گھوڑے سے اتر پڑا۔ اُس نے پہلے عنبہ کو سر سے لے کر پاؤں تک گھورا اور پھر کہا :

” اس کا لباس بھی ایک ہزار برس پرانے مصر کا ہے۔ تمہارا نام

”کیا ہے نوجوان؟“

”عبنر!“

”تم کون ہو؟“

”میں مصر کا شہزادہ ہوں۔ اخناتون میرا چچا ہے اور ملک نفرتی

میری والدہ ہے۔“

”سب لوگ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ سردار نے ہاتھ اٹھا کر کہا:

”خاموش!“

چاروں طرف خاموشی چھا گئی۔ سردار نے کہا۔

”سونے کے سکتے مجھے دکھاؤ!“

عبنر نے سونے کے سکتے سردار کو دیے۔ سردار سکتوں کو

ہستیلی پر لے کر عوز سے دیکھنے لگا۔ سکتے بالکل نئے اور چمکیے

تھے اور ایسا لگتا تھا کہ ابھی ابھی شاہی خزانے سے نکالے گئے

ہیں۔ کھدائی میں نکلے ہوئے سکتے سیاہ پڑ چکے ہوتے ہیں سردار

بھی چکڑے ہیں آگیا۔ اُس نے پوچھا :

”تم مصر سے یہاں کس طرح پہنچے؟“

”اپنے بادبانی جہاز پر!“

”تمہارا جہاز کہاں کھڑا ہے؟“

”میں جہاز کو ساحل سمندر پر چھوڑ کر آیا تھا مگر یہ لوگ ابھی

ابھی سمندر دیکھ کر آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہاں کوئی جہاز نہیں

ہے۔ میں خود حیران ہوں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔
بوڑھے حبشی نے کہا :

”معزز سردار، سمندر خالی ہے۔ وہاں کوئی جہاز نہیں ہے
معلوم ہوتا ہے کہ اس فوجوان کے دماغ میں گرمی چڑھ گئی
ہے۔“
سردار نے عنبر کی نبض دیکھی اور کہا :

”تمہیں بخار معلوم ہوتا ہے؟“

عنبر نے کہا :

”میں خود حکیم ہوں اور مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ میں
تندرست ہوں۔“

پھر تم پاگلوں ایسی باتیں کیوں کر رہے ہو؟ بھلا یہ کیسے ہو
سکتا ہے کہ تم ایک ہزار سال پیچھے سے زندہ سلامت چلے آ
رہے ہو؟

”یہ حقیقت ہے معزز سردار، میں نے جہاز میں ایک ہی
دن میں ایک ہزار سال عبور کر لیے ہیں۔“

لوگوں نے پھر قہقہے لگائے اور عنبر کا مذاق اڑانا شروع کر دیا
سردار نے لوگوں کو چپ کراتے ہوئے عنبر سے کہا :

”میرے ساتھ آؤ فوجوان، تمہیں آرام کی ضرورت ہے اور
اس بستی میں تمہیں میری عیوبی کے ہوا اور کہیں آرام نہیں مل

سکتا ہے۔

حبشی سردار عنبر کو ساتھ لے کر اپنی حویلی میں آ گیا۔
سردار کی حویلی اُس بستی کے کنارے پر تھی۔ اس کے ارد گرد
زیتون اور کھجور کے درختوں کا بڑا گھنا اور خوبصورت باغ تھا جہاں
سیاہ پتھر کے تخت، بچھے ہوئے تھے۔ سردار عنبر کو اپنے کمرے میں
لے گیا۔ یہاں دیواروں پر تلواہیں اور نیزے سجے تھے۔ فرش پر
حسین اور قیمتی ایرانی قالین اور عربی ریشم کی چادریں بکھی تھیں۔
سردار نے پوچھا :

”کیا کھاؤ پیو گے؟“

”مجھے نہ بھوک ہے نہ پیاس۔“

سردار ہنس پڑا۔ اُس نے تالی بجائی۔ ایک حبشی خادمہ چاندی
کے طشت میں تازہ کٹا ہوا رس دار تر بوز اور کھجوریں لے کر اندر
آئی اور ان کے درمیان رکھ کر واپس چلی گئی۔ سردار نے کہا :
”اب مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو اور کہاں سے آ رہے ہو اور
یہ ایک ہزار سال پرانے سونے کے سکے تم نے کہاں سے حاصل
کیے ہیں؟“

عنبر نے شروع سے آخر تک ساری کہانی سچ سچ بتا دی۔ سردار
گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اسے عنبر کی باتوں سے صاف معلوم ہو رہا
تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا۔ مگر یہ کیوں کر ہو سکتا تھا کہ وہ ایک ہزار

سال سے زندہ ہے اور اُسے موت نہیں آئی۔ اس کے باوجود عبیر کی باتوں پر یقین نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ کوئی بھی انسان اس دنیا میں رہتے ہوئے ایک ہزار سال زندہ نہیں رہ سکتا۔
سردار نے کہا :

”عبیر تم آرام کرو۔ شاید نیند کر لینے سے تمہارے دماغ پر اچھا اثر پڑے گا۔“

اب عبیر نے پوچھا :

”اس ملک کا نام کیا ہے۔ جہاں اس وقت میں موجود ہوں؟“
سردار نے کہا :

”تم اس وقت ملک افریقہ میں ہو اور یہاں ہینی ہال کی حکومت ہے۔ میں خوبے کے گورنر کا بھائی ہوں اور اس بستی کا سردار ہوں۔ مصر میں فرعونوں کی حکومت ختم ہو چکی ہے اور اس وقت وہاں خانہ جنگی ہو رہی ہے۔ ابوسہیل کے پڑپوتے فرعون کو لوگ قتل کرنے کی نکر میں ہیں۔ ہمارا بادشاہ ہینی ہال مصر پر حملہ کرنے ہی والا ہے۔ پھر مصر پر ہماری حکومت ہوگی۔“
عبیر نے کہا :

”مجھے یقین نہیں آ رہا۔“

سردار ہنس پڑا :

”تم ہمارے لباس اور اپنے لباس کو دیکھو۔ اپنی زبان اور ہماری

زہان کو دیکھو۔ اپنے سونے کے سکول اور ہمارے چڑے کے سکول کو
دیکھو۔ اپنی پُرانی بھڑی تلوار اور ہماری تلوار اور تانبے کی دھات
کے تیرکھان کو دیکھو۔ کیا تمہیں ان سب میں ایک ہزار سال کا فرق
دکھائی نہیں دے رہا؟

”شاید تم ٹھیک کہتے ہو سردار!“

”اچھا اب تم آرام کرو۔ صبح باتیں کریں گے۔“

سردار چلا گیا۔ غنبر اکیلا بستر پر لیٹ کر غور کرنے لگا کہ خدا
جانے اب حالات کیا رُخ اختیار کریں گے۔ وہ ہمیشہ کے لیے زندہ
تو کر دیا گیا ہے۔ اب یہ معلوم نہیں کہ اُسے تاریخ کے کس کس دور
میں سے کون کون سی مصیبتیں برداشت کرتے ہوئے گزرنا ہوگا۔
اس بات کا اُسے یقین تھا کہ اُس پر اعتبار کوئی نہیں کرے گا۔
اس لیے اُس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اُسی ملک کے لوگوں کا بھیس بدل
لے گا اور اب کسی سے نہیں کہے گا کہ وہ ایک ہزار سال سے زندہ
چلا آ رہا ہے۔

سنگِ دل، ہینی بال

حبشی سردار ساری رات غور کرتا رہا۔

اُسے معلوم تھا کہ افریقہ کا بادشاہ ہینی بال مصر پر حملہ کر کے اسے فتح کرنا چاہتا ہے۔ اگر سردار اس سلسلے میں ہینی بال کی مدد کرے تو وہ فوج میں ایک اعلیٰ مقام حاصل کر سکتا ہے۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ عبز کو استعمال کیا جائے۔ مصر کے بائے میں عبز کی معلومات سے فائدہ اٹھایا جائے اور اُسے مصر کے تازہ ترین حالات معلوم کرنے کے لیے اُس سے جا سوسی کرائی جائے۔ سردار نے فیصلہ کر لیا کہ وہ عبز کو ساتھ لے کر بادشاہ ہینی بال کے دربار میں جائے گا۔ صبح اُٹھ کر اس نے عبز کے ساتھ ناشتہ کیا اور کہا :
 ”عبز! میں چاہتا ہوں کہ تم ہمارے ملک میں آئے ہو تو تمہارا ملاقات بادشاہ ہینی بال سے کرائی جائے۔ وہ تم سے مل کر یقیناً خوش ہوگا۔ کیا تم ہمارے بادشاہ سے ملنا چاہتے ہو عبز؟“
 ”کیوں نہیں، ضرور ملنا چاہوں گا۔“

عبز نے سوچا کہ اب اُسے اپنے آپ کو تارتخ کے دھڑ کے حوالے کر دینا چاہیے۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ ویسے بھی اُس

کی خواہش تھی کہ ایک معمولی مسافر کی طرح ایک سردار کی حیثی میں پڑا رہنے سے بہتر ہے کہ دربار میں کوئی اعلیٰ مقام حاصل کیا جائے۔ آخر وہ مصر کا شہزادہ تھا۔ وہ گھٹیا درجے کے ماحول میں سرگز نہیں رہ سکتا تھا۔ سردار نے اُس کے دل کی بات کہی تھی۔ وہ تو چاہتا تھا کہ بادشاہ تک رسائی حاصل کرے۔ سردار نے خوش ہو کر کہا: ”بس ٹھیک ہے۔ ہم کل ہی دارالحکومت ایلام کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔“

دوسرے دن سردار اپنے محافظوں اور غنبر کو ساتھ لے کر ایلام کی طرف روانہ ہو گیا۔ ایلام افریقہ کی اُس بستی سے تین دن کی مسافت پر تھا۔ اعلیٰ نسل کے تازہ دم عربی گھوڑوں پر سوار سردار اور غنبر نے یہ سفر دو دن اور دوپہر میں طے کر لیا۔ تیسرے روز انہیں دُور سے ایلام شہر کی فصیل نظر آنے لگی۔

ایلام کا شہر بہت بڑا تھا۔ اس کے ارد گرد ایک بڑی مضبوط اور پوڑی فصیل تھی جس کے چار دروازے تھے۔ فصیل کے ارد گرد پانی سے بھری ہوئی ایک گہری کھائی چلی گئی تھی۔ فصیل کے بڑبڑوں پر ہر وقت پہرے دار موجود رہتے تھے۔ ایلام کے اندر بادشاہ بینی بال کا شان دار محل تھا۔ شہر کے بڑے دروازے سے داخل ہوتے ہوئے پہریلوں نے انہیں روک لیا۔ سردار نے اپنی شاہی انگوٹھی دکھائی تو پہریلوں نے ادب سے سر جھکا دیا اور بگل بجا کر سردار کا خیر مقدم

کیا۔ عین بڑی شان کے ساتھ سردار کے ہمراہ شہر میں داخل ہو گیا۔ شہر میں ہر طرف چہل پہل نظر آ رہی تھی۔ لوگ ذرق برق لباس میں ملبوس تھے اور خوش حال دکھائی دے رہے تھے۔ دکانوں کے اندر چہرے، مشک، عین، قیمتی جواہرات، چاندی کے برتنوں اور قسم قسم کا سامان بچھا پڑا تھا۔ کارواں سرائوں کے باہر سپاہی اور مزدور لکڑی کے تختوں پر بیٹھے پھیلوں کا رس پی رہے تھے۔ ایک بازیگر چوک کے بیچ میں رسی تانے اُس پر رقص کر رہا تھا اور لوگ تالیاں بجا رہے تھے۔

مندریں ڈھول پیٹے جا رہے تھے۔ عین نے سردار سے پوچھا :
 ”یہ لوگ کس کی پوچھا کرتے ہیں ؟“
 سردار نے کہا :

”ہم لوگ دیوتا مردوک کی پرستش کرتے ہیں۔ جس نے ہمارے لیے پانی بنایا اور جو ہماری گائے بھینسوں کو دودھ دیتا ہے۔“
 عین نے پوچھا :

”کیا مردوک خود چل پھر سکتا ہے ؟“

سردار نے چونک کر عین کی طرف دیکھا اور کہا :

”اے نوجوان، ہمارے مقدس دیوتا کے بارے میں ایسی بات زبان سے مت نکالو۔ مردوک ہمارا دیوتا ہے۔ وہ اگرچہ مندر میں پتھر کا ایک بُت ہے۔ مگر وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔“

عنبر غاموٹش رہا ! وہ سردار کے مذہبی جذبات کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ کیوں کہ وہ کسی بھی پتھر کے بُت کو خدا ماننے پر تیار نہیں تھا۔ وہ جس ماں کا بیٹا تھا اُس نے صرت ایک اور واحد خدا کی پوجا کی تھی اور کل تک عنبر بھی اسی خدا کی پوجا کرتا آیا تھا۔ جو تمام زمین و آسمان کا مالک ہے۔ مگر اُس وقت مناسب یہی تھا کہ وہ اہل ایلام کے مردوک دیوتا کے بارے میں کچھ نہ کہے۔ سردار ایک شاندار حویلی کی ڈیوڑھی میں آگیا۔ نوکروں نے آگے بڑھ کر گھوڑے تمام لیے۔ سردار عنبر کو ساتھ لے کر ایک نہایت بچے ہوئے پُرتکلف کمرے میں آگیا یہاں دیواروں پر بیش قیمت تابلین بہن اور شیر کی کھالیں لٹک رہی تھیں۔ زمین پر کم خواب کا فرش بچھا تھا۔ چاندی کی تپائیوں پر رنگین صراحیوں میں انگوروں کا رس بھرا ہوا تھا۔ جگہ جگہ دیوار گیر دیں چاندی کے شمع دان رکھے تھے جن میں زیتون کا تیل پڑا تھا۔

اُس رات سردار نے عنبر کے اعزاز میں دعوت دی اور شہر کے معززین کو بھی بلایا۔ سردار نے ان سب سے ۱۰۰۰ تارکے کروائے ہوئے کہا :

”یہ میرا دوست اور ایک بہادر شاہی سردار ہے :
وہ عنبر کو مصر کا باشندہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیوں کہ ایلام میں لوگ مصریوں کو اپنا دشمن خیال کرتے تھے اور ان سب کو

معلوم تھا کہ بادشاہ ہیننی بال مصر پر پڑھائی کی تیاریاں کر رہا ہے۔
دعوت میں کئی بھینے، بہن، مور، خرگوش، نیل گائے اور زرافے ذبح
کیے گئے۔ دسترخوان پر ہر قسم کا بھنا ہوا گوشت، طرح طرح کا پھل،
خشک باداموں کے آٹے کی روٹی اور انگوروں کا رس موجود تھا۔

دعوت جاری تھی۔ ہر طرف ایک شور و غل مچا تھا کہ سردار عنبر کو
ساتھ لے کر حویلی کے باغ میں آگیا۔ سنگ مرمر کے حوض میں سُرخ
پھلیاں تیر رہی تھیں اور لٹارے پل رہے تھے۔ سردار نے کہا :

”عنبر، بادشاہ سے کل ملاقات ہوگی۔ میں نے نعل بہاشاہ افریقہ
ہیننی بال کو پیغام بھجوا دیا ہے۔ اور سنو، میں تمہیں بادشاہ سے
شام کے ایک سردار کا بہادر بیٹا کہہ کر بلاؤں گا۔ یاد رکھو بادشاہ کو
یہ کسی صورت بھی معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ تم مصری ہو۔ ہاں یہ ضرور
کہوں گا کہ تم مصر کے شاہی دربار میں کچھ عرصہ گزار چکے ہو۔“
عنبر نے کہا :

”سردار، تم جیسا کہتے ہو ایسا ہی ہوگا۔ اگر تمہاری یہی مرضی ہے
کہ بادشاہ پر یہ ظاہر نہ ہو کہ میں مصر کا شہزادہ ہوں تو ایسا نہیں
ہوگا۔“

”اس میں تمہاری ہی سہجائی ہے عنبر، میں چاہتا ہوں کہ تمہیں
ہیننی بال کے دربار میں ایک اعلیٰ مقام دلاؤں۔ کیا تمہاری یہ خواہش
نہیں کہ تم شاہی لباس پہن کر بادشاہ کے دربار میں بیٹھو؟“

”ضرور! میں تو یہی چاہتا ہوں۔ بلکہ میری شروع ہی سے یہ خواہش رہی ہے کہ دربار میں رہوں۔ میں ہمیشہ بادشاہ کے دربار سے وابستہ رہا ہوں۔“

”تو پھر جس طرح میں کہتا ہوں اُسی طرح عمل کرنا۔ رتبہ مردوک نے چاہا تو تم بہت جلد دربار میں وہ مقام حاصل کر لو گے کہ بڑے بڑے درباری تم پر رشک کریں گے۔“

”فکر نہ کرو سردار! میں تمہاری ہدایت کے مطابق آگے چلوں گا۔ تم جو کچھ کہو گے اُسی پر عمل کر دوں گا۔“

”شاہنشاہ عزیز! مجھے تم سے یہی اُمید تھی اور پھر تمہاری بھلائی بھی اسی میں ہے۔ کل ہم دربار شاہی میں چلیں گے۔“

دوسرے دن سردار نے عزیز کو بڑا قیمتی اور شان دار لباس پہنایا خود بھی شاہی خلعت زیب تن کی اور بچے سہائے گھوڑوں پر سوار ہو کر شاہی محل کی جانب چل پڑا۔ شاہی محل شہر کے درمیان میں ایک اونچے ٹیلے پر واقع تھا۔ سنگ مرمر کی سیڑھیوں والا راستہ محل کے بڑے دروازے تک جاتا تھا۔ دروازے پر دربان نے انہیں روکا۔ سردار نے اپنی شاہی انگوٹھی دکھائی تو دروازہ کھول دیا گیا۔ اب وہ محل کی چار دیواری میں داخل ہو چکے تھے۔

یہ محل مصر کے بادشاہوں کے محل سے بالکل مختلف تھا۔ محل

کے ستون تکونے تھے اور محرابیں بھی تکون کی شکل میں تھیں۔ سارے
کاہارا محل سُرخ پتھر کا بنا ہوا تھا اور اس پر کسی قلعے کا گنجان
ہوتا تھا۔ سردارِ عنبر کو ساتھ لے کر دربار کے بڑے ہال میں آگیا۔
یہاں درباریوں نے سردار سے ملاقات کی۔ سردار نے تمام درباریوں
سے عنبر کا یہ کہہ کر تعارف کروایا کہ وہ شام کے ایک سردار کا
بیٹا ہے اور بادشاہ سلامت کی قدمبوسی کا شرف حاصل کرنے آیا
ہے۔

”یقیناً یہ شاہی نوجوان ہمارے عظیم ترین شہنشاہ سے مل کر خوش
ہوگا۔“

عنبر نے کہا :

”کیوں نہیں مجھے شہنشاہِ ظلِ ہما کی محبت ہی یہاں تک پہنچ
لائی ہے۔“

سردار بہت خوش ہوا کہ عنبر ٹھیک اُس کی ہدایت کے مطابق
عمل کر رہا تھا۔ اتنے میں سارا محل طبل اور تاشوں کی تیز آوازوں
سے گونج اٹھا۔ اس کے ساتھ ہی سارے درباری اپنی اپنی جگہوں
پر ادب سے سر جھکائے کھڑے ہو گئے۔ سارے دربار میں گہرا سناٹا
چھا گیا۔ جہاں ایک پل پہلے اتنا شور تھا کہ کان پڑی آواز سُنائی
نہ دیتی تھی۔ وہاں اب ایسی خاموشی چھا گئی تھی کہ اگر ایک تنکا بھی
گھرے تو اُس کی آواز آ جائے۔ معلوم ہوا کہ بادشاہ سلامت سہنی ہال

تشریف لا رہے ہیں۔

لبے ترنگے فوجی سپاہیوں کا ایک دستہ ہتھیاروں سے لیس دربار میں داخل ہو کر تخت کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی افریقہ کا جابر اور سنگ دل بادشاہ بینی بال دربار میں داخل ہوا۔ وہ فوجی لباس میں تھا۔ تلوار اس کے پہلو میں لٹک رہی تھی۔ اس کے سر پر سونے کا تاج تھا۔ بازوؤں پر سونے کی زنجیریں چڑھنی ہوئی تھیں۔ اس کی شکل بڑی ڈراؤنی تھی۔ گھنی سیاہ ڈاڑھی مونچھوں میں چہرہ تانبے کی طرح چمک رہا تھا۔ آنکھیں سرخ چیتے کی مانند تھیں۔ وہ آگے بڑھ کر سنگ سرخ کی سیڑھیاں چڑھتا تخت پر بیٹھ گیا۔ اس تخت پر دُنیا جہان کے قیمتی ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اس نے اٹھ کا اشارہ کیا اور ایک بوڑھے درباری نے آگے بڑھ کر کہا :

”حضور کا سایہ رعایا پر سلامت رہے۔ نعلِ ہما کی برکت سے

رعایا خوش حال رہے۔“

تمام درباریوں نے سر جھکا کر کچھ کہا۔ پھر وزیر دربار نے آگے بڑھ کر سونے کی تتالی میں رکھا ہوا مردوک کے مندر کا مقدس زیتون کا تیل بڑے پُجاری کی طرف بڑھایا۔ بڑے پُجاری نے آگے بڑھ کر سجدہ کیا اور بادشاہ کے قدموں پر مقدس تیل کا نشان بنا دیا۔ پھر وہ اُسی طرح اُلٹے پاؤں واپس آ کر ایک طرف چُپ چاپ سر

جھکائے کھڑا ہو گیا۔ وزیر دربار چڑے کی دستاویز کھول کر کچھ پڑھنے لگا تھا کہ ہینی بال نے بلند آواز میں کہا :

”ہمارے بھانجے سردار گیہات کو پیش کیا جائے“

سردار درباریوں کی قطار میں سے باہر نکل آیا۔ اُس نے تخت کے پاس ہاکر دو بار جھک کر ہینی بال کو سجدہ کیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ ہینی بال نے پوچھا :

”گیہات ، وہ شامی نوجوان کہاں ہے جس کو تم ہم سے ملنے لائے ہو؟“

”خدمت اقدس میں حاضر ہے عالی جاہ“

”اُسے پیش کرو“

”جو حکم عالی جاہ“

اس کے ساتھ ہی سردار قے اشارہ کیا۔ عنبر شان دار شاہی لباس میں ملبوس آگے بڑھا اور بادشاہ کو تین بار سلام کر کے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ دربار میں ایک سکتہ سا چھا گیا۔ عنبر نے بادشاہ کو سجدہ نہیں کیا تھا۔ وزیر جنگ نے آگے بڑھ کر عنبر کی گردن کو جھکانا چاہا۔ مگر ہینی بال نے ہاتھ اٹھا کر کہا :

”اسے مجبور نہ کیا جائے“

دربار میں سناٹا طاری ہو گیا۔ ہینی بال نے پوچھا :

”اے نوجوان ، تم کہاں سے آئے ہو؟“

عینر نے سردار کے رٹے رٹائے فقرے دہرا دیے۔ ہینی بال
 تخت سے اتر کر عینر کے قریب آ گیا۔ عینر نے دیکھا کہ ہینی بال
 ایک ہٹا کٹا تنومند آدمی ہے۔ وہ بادشاہ کم اور سپاہی زیادہ دکھائی
 دیتا تھا۔ اُس کے چہرے سے سنگدلی اور غلم ٹپک رہا تھا۔ ہینی بال
 نے عینر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ عینر کی رگوں میں بھی شاہی خون
 گردش کر رہا تھا۔ اگر وہ بھی شاہی خاندان سے نہ ہوتا تو شاید
 ہینی بال کی خوف ناک نظروں کو ہر داشت نہ کر سکتا۔ مگر شہزادہ ہونے
 کی وجہ سے وہ دربار میں ایک سنگ دل اور جابر بادشاہ کے سامنے
 بڑے وقار اور جرات کے ساتھ کھڑا تھا۔ ہینی بال نوجوان عینر کی
 جرات اور پُر وقار شخصیت سے بہت متاثر ہوا۔ کہنے لگا :

”تمہاری نیلی آنکھیں بتا رہی ہیں کہ تم شام کی مصری سرحد
 کے قریب کے رہنے والے ہو“

یہ سوال بڑا خطرناک تھا۔ سردار نے اس پر غور ہی نہیں کیا
 تھا۔ وہ پریشان ہو گیا کہ نہ جانے عینر اس کا کیا جواب دے گا۔ مگر
 عینر بادشاہوں کے مزاج اور دربار کی سیاست کو اچھی طرح جانتا تھا۔
 اُس نے زرعون کا عظیم الشان سازشوں والا دربار دیکھا تھا۔ ہینی بال کا
 دربار اُسے ڈرا نہیں سکتا تھا۔ اُس نے جھٹ کہا :

”جہاں پناہ، آپ کا اندازہ بالکل درست ہے۔ میرے والد صاحب
 کے دادا شام کی مصری سرحد کے رہنے والے تھے“

ہینی بال نے اچانک منٹے میں آکر کہا :
 ” مگر تم مصری نہیں ہو۔ ٹھیک ہے ناں ؟ “
 عنبر نے جھٹ کہا :

” میں مصری نہیں ہوں غالی جاہ ، مصریوں نے میرے آباؤ
 اجداد کو قتل کر کے ان کی جاگیر پر قبضہ کر لیا تھا۔ میں تو مصریوں
 کو اپنا دشمن سمجھتا ہوں “
 ہینی بال نے خوش ہو کر کہا :

” شاباش ، شاباش ۔ ہمیں ایسے ہی نوجوانوں کی ضرورت ہے
 میرے بھانجے نے تمہاری بہت تعریف کی تھی ۔ تم دربار کے
 بعد مجھے ملنا “

عنبر نے سر جھکا کر کہا :
 ” جو حکم غالی جاہ “

دربار برخواست ہو گیا۔ ہینی بال چلا گیا۔ درباریوں نے عنبر
 اور سردار کو گھیر لیا اور عنبر کی جرات کی داد دینے لگے۔ شام کو
 سردار ہینی بال کے خاص محل میں آ گیا۔ ہینی بال کمرے کے وسط
 میں کھڑا زمین پر بنا ہوا جنگ کا نقشہ دیکھ رہا تھا۔ اُس نے اپنے
 سردار بھانجے کو اندر آتے دیکھا اور پھر بڑے غور سے نقشے کو دیکھنے
 لگا۔ اچانک سردار کی طرف پلٹ کر بولا :

” کیا یہ شاہی سردار کا بیٹا مصر کے درباریوں سے واقف ہے؟ “

”جہاں پناہ‘ یہ نوجوان اپنے باپ کے ساتھ کئی برس فرعون کے دربار میں رہا ہے“

ہینی بال نے زمین پر زور سے پاؤں مارتے ہوئے کہا :
”پھر تم اُسے کیوں نہیں مصر روانہ کرتے ؟ کیا مہینے اس پر بھروسہ ہے ؟“

سردار نے کہا :

”پورا پورا بھروسہ ہے جہاں پناہ“

ہینی بال بولا :

”ہول — اگر اس نے غداری کی تو میں مصر پہنچ کر اس کا سر قلم کر دوں گا“

”وہ ایسا نہیں کرے گا عالم پناہ‘ اُسے آپ سے عقیدت ہے“
سردار نے یقین دلایا ۔

”ٹھیک ہے اُسے کل زر و جواہرات دے کر مصر روانہ کر دو، اور کہو کہ مصری فوج کی پوری تعداد اور منہیقوں کے بارے میں پوری معلومات حاصل کر کے جلد میرے پاس آئے۔“
”جو حکم عالم پناہ“

سردار نے جھک کر سمجھدہ کیا اور واپس اپنی حویلی کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں وہ یہی سوچتا آ رہا تھا کہ اگر عین نے پوری پوری ہاموسی کی تو ہینی بال کی فتح یقینی ہوگی اور اُسے ضرور کوئی

بڑا عمدہ انعام میں مل جائے گا۔ سردار اسی عہدے کے لافچ میں
 عنبر کو مصر میں ہا سوسی کرنے بھیج رہا تھا۔ عنبر اس لیے مصر جانے
 پر راضی ہو گیا تھا کہ وہ اپنی مال کی قبر پر دُعا پڑھنے کے علاوہ
 یہ بھی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کیا واقعی ایک ہزار برس گزر چکے
 ہیں اور تھیبس کا شہر تباہ ہو کر کھنڈر بن چکا ہے؟

پاکستانی یونیورسٹی
 ڈاٹ کام

دیران شہر

رات کو سردار اپنے ساتھ عینر کو ایک قہوہ خانے میں لے گیا۔ یہ قہوہ خانہ شہر ایلام کے مشرقی دروازے کے پہلو میں تھا۔ یہاں لوگ ٹکڑی کی چوکیوں کے ارد گرد بیٹھے قہوہ پیتے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ کہیں کوئی سپاہی جنگ میں دشمن کے ساتھ اپنی بہادری کی کہانی سنار رہا تھا۔ کہیں کوئی یو پارمی دوسرے تاجر سے کاروبار کی بات کر رہا تھا۔ کہیں کوئی ملاج سمندر کے عجیب و غریب واقعات سنار رہا تھا۔ قہوہ خانے کے اندر ہلکا ہلکا شور مچ رہا تھا۔ سردار کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر قہوہ خانے کا مالک پک کر آگے بڑھا اور اُس نے جھک کر سلام کیا۔

”اگر حضور پسند فرمائیں تو میں سیاہ انگوروں کی بیل کے نیچے تخت بچھا دوں؟“
سردار نے کہا :

”ہاں ہاں مناسب رہے گا، یہاں شور ہے۔ ہم کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔“
”جو حکم حضور۔“

قہوہ خانے کے مالک نے اسی وقت قہوہ خانے کے عقب
 میں سیاہ انگوروں کے باغ میں مشعل جلا کر سنگ نرغ کا تخت بچھا
 دیا اور اوپر خرطوم کا سفید کمیس ڈال دیا۔ عنبر اور سردار و ہاں بیٹھ
 گئے۔ قہوہ آگیا اور وہ قہوہ پیٹے ہوئے باتیں کرنے لگے۔ عنبر نے
 قہوے کی تعریف کی اور کہا کہ ایلام میں قہوہ بہت لذیذ ہوتا
 ہے۔ سردار نے اُسے بتایا کہ جنوبی افریقہ اپنے لذیذ اور خالص
 قہوے کے لیے مشہور ہے۔ اس کے بعد وہ بیٹنی ہال کے دربار
 کی باتیں کرنے لگے۔ عنبر بیٹنی ہال کی مردانہ دھابت اور سپاہیانہ
 شخصیت سے بہت متاثر ہوا تھا۔ سردار نے مناسب موقع دیکھ کر
 بات شروع کرتے ہوئے عنبر کو بتایا کہ بیٹنی ہال چاہتا ہے کہ وہ مصر
 جا کر وہاں بعض ضروری معلومات حاصل کر کے لائے۔ بیٹنی ہال
 مصر پر آخری اور فیصلہ کن حملہ کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اس سے پہلے
 وہ مصری فوج اور منشیقوں کی تعداد کے بارے میں مکمل تفصیل چاہتا
 ہے۔

عنبر کو معلوم تھا کہ سردار اُس سے یہی بات کرے گا اور
 وہ مصر جا کر یہ معلومات فراہم کرنے کے لیے ذہنی طور پر راضی ہو
 تھا کہ اس کے مصر کے فرعون نے اُس کی والدہ اور چچا کو قتل کر کے
 اُس خاندان کی بنیاد ڈال تھی جو آج وہاں حکمران تھا۔ عنبر چاہتا تھا
 کہ اس خاندان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے تاکہ وہ اپنی والدہ

کے قتل کا انتقام لے سکے۔ پھر بھی وہ سردار پر یہی غماہ کرنا چاہتا تھا کہ وہ جاسوسی کرنے پر صرف اُس کی خاطر راضی ہو رہا ہے۔ اُس نے کہا :

”معزز سردار، جاسوسی اچھا کام نہیں۔ لیکن میں تمہاری خاطر یہ کام بھی کر لوں گا۔ لیکن میری ایک شرط ہے۔“

”میں تمہاری ہر شرط ماننے پر تیار ہوں۔“

”شرط یہ ہے کہ میری معلومات اگر درست ثابت ہوئیں تو میں بیٹن بال کے دربار میں ایک ہمدہ طلب کرنے میں حق بجانب ہوں گا۔“

”میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں دربار میں ہمدہ دلوا دوں گا۔“

”تو پھر میرے ہمسرہ پہنچانے کا بندوبست کیا جائے۔“

سردار بہت خوش ہوا کہ عنصر نے بہت جلد اُس کی بات مان لی تھی ! وگرنہ اُسے خیال تھا کہ عنصر شاید مصری ہونے کی وجہ سے جاسوسی کرنے پر آمادہ نہ ہو۔ لیکن اُسے کیا معلوم کہ عنصر تو مصر کے شاہی خاندان سے اپنی والدہ کے قتل کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔

سردار نے اُسی روز عنصر کے مصر کی طرف کوچ کرنے کا بندوبست کر دیا۔ عنصر کے ساتھ اس نے چھ سواروں کا ایک دستہ کر دیا۔ جن کا فرض یہ تھا کہ وہ عنصر کو اپنی حفاظت میں مصر کی سرحد پر پہنچا کر واپس آجائیں گے۔ مگر اندھیرے یہ چھوٹا سا قافلہ مصر کی

جانب روانہ ہو گیا۔

ایلام شہر سے مصر کی سرحد سات دن رات کی مسافت پر تھی۔ دن کے وقت یہ لوگ سفر کرتے اور رات کو، لی مناسب جگہ دیکھ کر پڑاؤ کر لیتے۔ چھٹے روز شام کے وقت یہ لوگ صحرا میں سفر کر رہے تھے کہ اچانک آسمان پر دھند سی چھا گئی۔ ہوا بند ہو گئی اور جس سا ہو گیا۔ سپاہیوں نے فوراً ایک جگہ ریت میں خیمے لگا دیے۔ سنبھلنے سفر ہماری رکھنے کے لیے کہا تو سپاہی نے کہا:

”سردار! بڑا زبردست آندھی کا طوفان آ رہا ہے۔ اگر ہم نے خیموں میں پناہ نہ لی تو ہم ریت کے تودوں میں دب کر رہ جائیں گے۔“

اور ایسا ہی ہوا۔ ابھی وہ بمشکل خیمے کے اندر گھس کر لیٹنے ہی پائے تھے کہ آندھی چلنا شروع ہو گئی۔ یہ آندھی اس قدر شدید تھی کہ خیمے کے باہر ہزاروں شیر رھاڑتے محسوس ہو رہے تھے۔ ساری رات آندھی چلتی رہی۔ سپاہی خیموں کو ہاتھوں اور پاؤں سے تھامے رہے۔ ہر لمحے یہی فکر تھا کہ ابھی خیمہ از جائے گا۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد سپاہی نیز آندھی میں باہر نکل کر خیمے کے اوپر پڑی ہوئی ریت صاف کر دیتے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو یقیناً ریت کے ٹیلے تلے دب کر رہ جاتے۔

رات کے پچھلے پہر طوفان تھم گیا۔ آسمان ایک دم صاف ہو گیا۔
 انہوں نے خیمے سے باہر نکل کر دیکھا۔ صحرا کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا
 جہاں پہلے ٹیلے تھے وہاں صحرا تھا اور جہاں پہلے صحرا تھا وہاں
 اب ریت کے بڑے بڑے ٹیلے کھڑے ہو گئے تھے۔ انہوں نے
 خیمے اکھاڑ کر گھوڑوں پر رکھے اور ستاروں کی رہنمائی میں سفر
 شروع کر دیا۔ صبح کو سورج نکل آیا اور رات بھر کی شبہم میں بھیڑ
 ٹھنڈی ریت ایک پہر دن گزرنے کے بعد انگاروں کی طرح گرم
 ہونا شروع ہو گئی۔ مگر انہوں نے پاؤں کے گرد چمڑا پلیٹ رکھا
 تھا اور سرول پر دھوپ سے بچنے کے لیے عامے بازو رکھتے تھے۔
 دوپہر کے وقت انہوں نے ایک نخلستان میں پڑاؤ کیا۔ یہ نخلستان صحرا
 کے بیچ میں جنت کا ٹکڑا معلوم ہو رہا تھا۔ کھجوروں کے جھنڈ کی
 ٹھنڈی چھاؤں میں چمڑا بہہ رہا تھا۔ اس چمڑے کا پانی بے حد
 ٹھنڈا اور میٹھا تھا۔ انہوں نے خود بھی جی بھر کر پیا اور گھوڑوں
 کو بھی منہ ملا کر پانی پلایا۔ تیسرے پہر جب دھوپ ڈھلنے لگی تو
 وہ ایک بار پھر تازہ دم ہو کر اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔
 ساری رات وہ صحرا میں ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں سفر
 کرتے رہے۔

ستارے آسمان پر بڑے بڑے ہیرے موتیوں کی طرح چمک
 رہے تھے۔ سپاہی ستاروں کی رہنمائی میں سفر کرنے کے علاوہ کچھ

چناں پہ جب رات ڈھل گئی اور آسمان پر صبح کی ہلکی ہلکی روشنی پھیلنے لگی تو انہیں دُور ملک مصر کے ابرام دکھائی دیے۔ تھوڑی دیر بعد وہ مصر کی سرحد میں داخل ہونے لگے تھے۔ سرحد کے پاس آکر سپاہیوں نے عنبر کو خدا حافظ کہا اور واپس ایلام کی سمت مُڑ گئے۔

عنبر ملک مصر کی سرحد پر اکیلا کھڑا تھا۔ یہ وہ ملک تھا جس کی آب و ہوا میں وہ پہل کر جوان ہوا تھا اور جس کے ایک فرعون نے اُس کی والدہ کو زہر دے کر ہلاک کر دیا تھا۔ اس کا دل انتقام کی آگ میں جلنے لگا۔ اُسے یوں محسوس ہوا کہ اگر اُس نے فرعون کے خاندان سے انتقام نہ لیا تو اُس کی ماں اور نیک دل چچا کی رُوح تڑپتی رہے گی۔ مصر کی سرحد میں وہ ایک ہزار سال کے بعد داخل ہو رہا تھا۔ اس اٹھارہویں کتنے ہی فرعون مصر کے تخت پر بیٹھ کر مر چکے تھے۔ اس وقت مصر کے تخت پر ابوسہیل کا پڑ پوتا بیٹھا تھا۔ وہ ایک کمزور اور عیش پسند فرعون تھا۔ اپنے آرام کی خاطر وہ لوگوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح قتل کروا دیتا تھا۔ ہر طرف خانہ جنگی کا سماں تھا۔ مصر کی سلطنت دم توڑ رہی تھی۔ سرحدوں پر چاروں طرف سے چھوٹے چھوٹے ملک حملہ کرتے اور لوٹ مار کر کے بھاگ جاتے۔ ملک میں ہر طرف ایک انرا قفری چھی تھی۔ جس وقت عنبر مصر کی سرحد میں داخل ہوا تو اُسے چند ایک مصری فوجیوں نے روک لیا۔

”کون ہو تم؟ اور کہاں سے آرہے ہو؟“

عنبہ اُس وقت ایک شہر شہر پھر کر بیماروں کا علاج کرنے لگے۔
 عیلم کے بھیس میں تھا۔ اُس نے کہا:

”میرا نام عنبہ عیلم ہے۔ میں فلسطین کے صوبے سے آیا ہوں۔
 میں دکھی اور بیمار انسانوں کی تیمارداری کرتا ہوں۔“
 سپاہی نے کہا:

”تم ٹھیک وقت پر آئے ہو۔ ہمارا ایک سپاہی کل سے سخت
 بیمار ہے۔ اُس کا علاج کرو۔ اگر تم نے اُسے تندرست کر دیا تو تمہیں
 سہ صد عبور کرنے کی اجازت مل جائے گی؛ وگرنہ تمہیں اسی جگہ قتل
 کر دیا جائے گا۔“

عنبہ دل میں گھبرا گیا کہ یہ کس مصیبت میں وہ پھنس گیا ہے
 گرا سے اپنی دوائیوں اور خدائے واسد پر بڑا سبھروسا تھا۔ اُس
 نے کہا:

”مجھے مرلیض کے پاس لے چلو۔“

”آؤ میرے ساتھ۔“

پہریدار عنبہ کو ساتھ لے کر چوک کی کوٹھڑی میں داخل ہو گیا۔
 کوٹھڑی کے اندر ایک مصری سپاہی کھجور کی چٹائی پر پڑا تھا۔ وہ نیم
 بے ہوش تھا۔ بھار سے اُس کا جسم پٹک رہا تھا۔ عنبہ نے اُس کی
 نبض دیکھی۔ پھر اُس کی آنکھوں کو کھول کر دیکھا۔ اپنی صند وچنی میں

سے جڑی بوٹیوں کا عرق نکال کر مٹی کے پیالے میں ڈالا اور بیہوش
 سپاہی کے حلق میں اُنڈیل دیا۔ اس کے بعد اُس نے ٹخنڈی
 ریت کا لیپ اُس کے ماتھے پر کرنا شروع کر دیا۔ ریت گرم ہو
 جاتی تو وہ اُسے اتار کر اُس کی جگہ تازہ ریت کا لیپ کر دیتا۔
 چند لمحوں کے بعد مریض کا بخار ٹوٹ گیا اور اُس نے
 آنکھیں کھول دیں۔ سپاہی پہریدار بہت خوش ہوئے اور اُس نے عہد
 کو سرحد عبور کرنے کی اجازت دے دی۔

عہد نے ربِ عظیم کا شکر ادا کیا کہ اُس کی جان عذاب سے
 چھوٹی۔ مصر کی سرحد سے ایک کچّا راستہ ہو کہ پتھروں سے اُٹا ہوا تھا،
 اہرام کی طرف جاتا تھا۔ عہد گھوڑے پر سوار اس راستے سے گزرتا
 ہوا اہرام کے کھنڈروں کے پاس پہنچ گیا۔ اُسے یاد آیا کہ آج سے
 ایک ہزار برس پہلے جب وہ ان اہرام میں آیا کرتا تھا تو ابھی
 اس کی بنیادیں کھودی جا رہی تھیں۔ مگر ایک ہزار برس گزر جانے
 کے بعد آج اُس اہرام کے پتھروں کے ٹکڑے اڑ گئے تھے اور جگہ
 جگہ خشک جھاڑیاں اُگ رہی تھیں۔ وہ زمانے کی بے رحم تبدیلیوں
 پر غور کرتا ہوا آگے گزر گیا۔

سرحد عبور کرتے ہی اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ فرعون کو قتل
 کر کے فوج کے سپہ سالار مہار کہ نے تخت پر قبضہ کر لیا ہے۔ گویا
 اُس وقت مصر پر فوج کی حکومت تھی۔ راستے میں عہد کو کئی ایک

فوجی دستے ملے جو گشت کر رہے تھے۔ عنبر انہیں سلام کرتا ہوا آگے گزر جاتا۔ سب سے پہلی بستی جو اُسے ملی وہ ایک چوڑا سا قصبہ تھا۔ اس قصبے کے کچے مکانوں پر زیرانی برس رہی تھی۔ عنبر کو پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ اُس نے ایک مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ کئی بار دروازے پر ہاتھ مارنے کے بعد ایک بوڑھے آدمی نے دروازہ کھولا۔ وہ ڈرا ہوا تھا اور اُس کی آنکھوں سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ اُس نے سہم کر پوچھا: "کون ہو تم؟ اب ہمارے پاس کچھ نہیں رہا۔ جو کچھ تھا ہمارے کے سیاہی لوٹ کر لے گئے۔"

عنبر نے بوڑھے کو تسلی دی اور کہا کہ وہ صرف تھوڑا سا پانی پینا چاہتا ہے۔ کیوں کہ اُسے پیاس لگی ہے۔ بوڑھے نے ادھر ادھر دیکھا اور کہا:

"اندر آ جاؤ۔"

عنبر ڈیوڑھی میں ایک پٹائی پر بیٹھ گیا۔ بوڑھے آدمی نے اُسے اور اُس کے گھوڑے کو پانی پلایا۔ اُس نے بتایا کہ ہمارے فرعون کو قتل کر دیا ہے اور لوگوں پر بڑا ظلم ڈھا رہا ہے۔ اُس کے سپاہی ہر طرف لوٹ مار کر رہے ہیں۔ لوگوں کو بے دریغ قتل کر رہے ہیں۔ عنبر نے پوچھا:

"کیا تمہیں معلوم ہے فوجیوں کی چھاؤنی کس جگہ ہے؟"

”میں پرسوں شہر گیا تھا۔ میں نے دیکھا تھا کہ فوجیوں کی کوٹھڑیاں شہر سے باہر دریائے نیل کے کنارے ابومبیل کے اہرام کے پاس بنی ہوئی تھیں۔“
عزیز نے پوچھا :

”بابا، کیا ہمارے پاس بہت زیادہ فوج ہے؟“
”اگر زیادہ فوج نہ ہوتی تو وہ تخت پر کیسے قبضہ کرتا؟ اُس نے بے پناہ فوج بھرتی کر رکھی ہے۔“
”کیا اُس کی فوج میں سنگ باری کرنے والی منجنیقیں بھی ہیں؟“
”اس کا مجھے علم نہیں۔ مگر تم یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہے ہو؟“
عزیز نے بات مالتے ہوئے کہا :

”میں صرف اپنی معلومات میں اضافہ کرنا چاہتا تھا۔“
اس کے بعد عزیز نے بوڑھے مصری کا شکریہ ادا کیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر آگے روانہ ہو گیا۔ بوڑھے مصری سے اُسے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ مصر کے دارالسلطنت کا نام اب ممفس ہے۔ پورا دارالحکومت تھیبس کنڈر بن چکا ہے۔ نیا دارالحکومت وہاں سے ایک دن اور ایک رات کے سفر پر واقع ہے۔ عزیز ساری رات سفر کرتا رہا۔ دن پڑھا تو وہ ایک نخلستان کے قریب سے گزر رہا تھا۔ یہاں اُس نے چشمے کا ٹھنڈا پانی پیا اور انگور توڑ کر کھائے۔ گھوڑے کو بھی گھاس چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ کچھ دیر آرام کرنے

کے بعد وہ میمفس کی طرف چل پڑا۔ سوچ غروب ہو رہا تھا کہ اُسے مصر کے سب سے بڑے شہر اور دارالحکومت میمفس کی فہمیل کے آثار نظر آئے۔ شہر کے دروازے پر اُسے پہریداروں نے روک لیا۔

”تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو، کہاں جانا ہے؟“

یہاں بھی عنبر نے یہی کہا کہ وہ فلسطین کے ایک صوبے سے آیا ہے۔ وہ حکیم ہے۔ چل پھر کر بیماروں کا علاج کرتا ہے اور مینس میں اپنے ایک حکیم دوست سے ملنے آیا ہے۔ اُس نے پہریداروں میں مشاک اور نافہ تقسیم کیا اور یوں اسے شہر میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی۔ وہ مصر کے نئے دارالحکومت میمفس میں داخل ہو گیا۔ اس شہر کو آباد ہوئے ایک ہزار سال گزر گئے تھے۔ ایک ہزار برس پہلے عنبر کے زمانے میں اس شہر کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔ یہ شہر بھی دریائے نیل کے کنارے پر ہی آباد کیا گیا تھا۔ مگر یہ اوپر کی طرف تھا۔ یہاں سیلاب کا خطرہ نہیں تھا۔ عنبر رات بونے سے پہلے ایک کارواں سرائے میں پہنچ گیا۔ یہاں پہلے ہی سے ایک قافلہ اُترا ہوا تھا اور ہر طرف بڑی چل چل مچتی تھی۔ مگر عنبر نے محسوس کیا کہ لوگوں کے چہروں پر ایک پریشانی اور وحشت سی ہے۔ کوئی بھی شخص اُسے مطمئن نظر نہ آیا۔ تو کر کو کچھ سکے دے کر اُس نے گھوڑے کے چارے پانی کا بندوبست کرنے کو کہا اور خود تھوڑا

بہت کھاپی کر سرائے کے صحن میں لکڑی کی ایک چوکی پر بیٹھ کر
تھوہ پینے لگا۔ سرائے کا مالک بھی اُس کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور
کہنے لگا :

”میری بیوی کئی سال سے بیمار ہے۔ اگر تم اُس کا علاج کر دو
تو میں ساری عمر تمہارا غلام رہوں گا۔“
”میں اُس کا علاج کروں گا۔ تمہاری بیوی ضرور اچھی ہو جائے
گی۔“

عنبہ نے سرائے کے مالک کی بیوی کا علاج شروع کر دیا۔
ایک ہفتے کے اندر اندر بیمار عورت تندرست ہو گئی۔ سرائے کے
مالک نے خوش ہو کر کہا :

”تم اس کے عوض مجھ سے جو مانگو تمہیں دوں گا۔“

عنبہ نے کہا :

”مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔ صرف اپنی سرائے کے ایک کمرے
میں کچھ عرصہ رہنے کی اجازت دے دو۔ میں اس کے عوض تمہیں
پوری اجرت ادا کروں گا۔“

”نہیں، میں تمہارا حق تمہیں ضرور دوں گا۔“

عنبہ بہت خوش ہوا کہ اُس کی رہائش کا مسئلہ بغیر کسی شور
شرابے کے بڑی آسانی سے حل ہو گیا تھا۔ اُس نے بازار سے کچھ
ضروری سامان خریدا اور سرائے کے ایک کمرے میں ڈیرے لگا لیے۔

اب اُس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ پُرانے دارالحکومت تھیبس کا پتہ دریافت کیا اور ایک روز اُس کی جانب چل پڑا۔

تھیبس شہر اُس کا وطن تھا۔ وہ اسی شہر میں پیدا ہوا تھا۔ یہیں اُس نے رجال کے گھر میں پرورش پائی تھی۔ اس جگہ وہ اپنے بے وفادار دوست قہرمان کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ یہیں قہرمان نے فرعون بننے کے بعد اُس کی والدہ ملکہ کو زہر دے کر ہلاک کیا تھا۔ اسی شہر کے باہر اجرام میں اُس کی ماں کی قبر تھی۔ عین اپنی ماں کی قبر پر دعا پڑھنا اپنا سب سے پہلا فرض سمجھتا تھا۔ پُرانے شہر تھیبس کے کھنڈرئے شہر ممفس سے کافی فاصلے پر تھے۔ اپنے وطن کے کھنڈروں میں پہنچ کر عین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے واما سوائے ویران کھنڈروں کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ نہ اُس کا وہ گھر تھا جہاں وہ پلا تھا، نہ وہ آنگن تھا جہاں کھیل کود کر دے جوان ہوا تھا۔ اُس کے بے وفادار دوست قہرمان کا گھر بھی تباہ و برباد ہو چکا تھا۔ اُس کے باپ فرعون کا محل ریت اور پتھروں کے ڈھیر میں تبدیل ہو چکا تھا۔ کہیں کہیں ایک آدھ ستون کھڑا تھا جو بس گرنے ہی والا تھا۔

درویش اناطوں کی جھونپڑی کے باقی رہنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ دریائے نیل بھی اپنی جگہ سے ہٹ کر کچھ پہلے ہو گیا تھا۔ پُرانے اجرام کے پتھروں کے کنارے اڑ گئے تھے اور جگہ

جگہ خشک جھاڑیاں اُگ آئی تھیں۔ عنبر کو اب یقین ہو گیا تھا کہ وہ ایک ہزار سال بعد واپس آیا ہے؛ حالانکہ ایک ماہ پہلے وہ اپنے شہ اور محل کو ہنتا ہنتا چھوڑ گیا تھا۔ مگر ایک ہزار برس گزر گئے تھے۔ وہ بڑی مشکل سے تلاش کرتا ہوا پرلے ابراہم کے غار میں پہنچا۔ اس غار کا دروازہ بڑے سے پتھر نے بند کر رکھا تھا۔ اندر جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ عنبر کو یقین تھا کہ اس کی والدہ ملک کی قبر اُس غار کے اندر ہے۔

وہ اپنی ماں کی قبر پر دُعا پڑھنا چاہتا تھا۔

شاہی جاسوس



اہرام کے غار میں جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔
 عنبر اپنی والدہ ملکہ کی قبر پر دُعا پڑھے بغیر واپس نہیں
 جانا چاہتا تھا۔ وہ ایک ہزار برس کے بعد اپنی والدہ کی قبر پر
 دُعا پڑھنے آیا تھا۔ اُس نے اہرام اور اُس کے غار کو بھی پہچان
 لیا تھا۔ اُسے اس غار میں سے اپنی پیاری ماں کی امیتا کی خوشبو
 آرہی تھی۔ مگر سوال یہ تھا کہ وہ اندر کیسے جائے۔ غار کے
 آگے جو بڑا سا چھتر گرا ہوا تھا وہ ہزار برس گزر جانے کے بعد
 اُس اہرام کا ایک جھتہ بن گیا تھا۔ عنبر نے ادھر ادھر سے راستہ
 تلاش کرنے کی کوشش نہ کر دی۔ مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا۔
 اچانک اُسے غار کے چھتہ کے کونے میں ایک سوراخ سامنے
 آیا۔ اُس نے دستہ اندر ڈال کر محسوس کیا کہ اندر سے مٹی بھر پھری
 ہے۔ اب وہ وہاں سے مٹی مٹانے لگا۔ کافی دیر تک مٹی مٹانے
 کے بعد اُس نے غار میں اتنا سوراخ کر لیا کہ وہ رینگ کر غار
 کے اندر داخل ہو سکتا تھا۔ اُسے یہ بھی خیال تھا کہ ہزار سال گزر
 جانے کے بعد جانے اندر کیسے کیسے کیڑے کوڑے پیدا ہو گئے

ہوں گے۔ اُس نے پتھر رگڑ کر مشعل جلائی اور خدائے واحد کا نام لے کر ریگتا ہوا غار کے اندر داخل ہو گیا۔ اندر گہپ اندھیرا تھا جسے مشعل کی روشنی دُور کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ غار کی چھت سے جالے لٹک رہے تھے۔ فصائیں مٹی اور گھٹن تھی۔ مگر ماں کی محبت ان سب ہلاؤں پر حاوی ہو چکی تھی۔ اس لیے عنبر غار کے اندر مشعل ہاتھ میں لیے آگے بڑھتا رہا۔ اتنی سдіاں گزر جانے کے بعد بھی اُس نے ماں کی قبر کو پہچان لیا۔ قبر کا پتھر ویسے ہی تھا۔ سرٹ اُس پر چھت سے گر کر ہوئی مٹی اور ریت جگہ جگہ پڑی تھی۔ طبر بے اختیار ماں کی قبر سے لپٹ گیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ رونے کے بعد جب اُس کے دل کا غبار دُھل گیا تو اُس نے ہاتھ اٹھا کر آنکھیں بند کیں اور دُعا پڑھنے لگا۔ دُعا پڑھنے کے بعد وہ اپنے چچا کی قبر پر گیا اور وہاں بھی دُعا پڑھی۔

وہ ماں کی قبر پر بیٹھ گیا اور اپنی گزری ہوئی اور آنے والی زندگی کے بارے میں غور کرنے لگا۔ وہ ایک ہزار سال سے زندہ تھا۔ موت اُس پر حرام کر دی گئی تھی۔ ابھی خدا جانے اُسے کتنے ہزار سال اور زندہ رہتا تھا۔ کسی وقت اس خیال سے اُسے خوشی بھی ہوتی کہ وہ تاریخ کے ساتھ ساتھ سفر کر رہا ہے۔ وہ نئی نئی حکومتوں کو عروج پر جاتے اور پھر برباد ہو کر مٹتے دیکھ رہا ہے۔

مگر کسی وقت وہ اداس بھی ہو جاتا کہ کہیں وہ اتنی لمبی عمر سے اکتا نہ جائے۔ اگر وہ اکتا گیا تو پھر کیا ہوگا؟ کیوں کہ مَر تو وہ سکے گا نہیں۔

عنبز نے بیٹھے بیٹھے محسوس کیا کہ اُسے کہیں سے پانی کے گرنے کی آواز آرہی ہے۔ وہ مشعل ہاتھ میں لے کر اُس طرف چل پڑا۔ بعدھر سے پانی کی آواز آرہی تھی۔ یہ آواز ایسی تھی جیسے کہیں قریب ہی پتھروں میں کوئی چٹھہ بہہ رہا ہو۔ عنبز آگے بڑھتا گیا۔ غار اب بائیں جانب کو گھوم گئی تھی اور چٹھہ بہنے کی آواز زیادہ قریب سے سنائی دینے لگی تھی۔ پتھوڑی دور تک چلنے کے بعد عنبز ایک چٹھہ پر پہنچ گیا۔ یہاں پر پانی ابرام کے پہاڑ کی چھت میں سے ایک تلی سی دھار کی شکل میں پتھروں میں گر رہا تھا جہاں جمع ہو کر وہ چٹھے کی صورت میں بہہ کر غار کے اندر ہی اندر کسی نامعلوم مقام کی طرف بہا رہا تھا۔

عنبز نے مشعل ایک طرف رکھ کر چٹھے میں ہاتھ ڈالا۔ پانی بعد ٹھنڈا تھا۔ اس نے پانی کا ایک گھونٹ پی لیا تھا کہ غار میں زلزلہ سا آگیا۔ عنبز خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹا اور دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ زلزلے کی وجہ سے غار کی دیواریں کانپ رہی تھیں اور چھت میں سے کچھ پتھر نکل کر چٹھے کے پانی میں گر پڑے۔ عنبز نے خطرہ محسوس کیا کہ کہیں غار کی چھت نہ بیڑ جائے۔ وہ مشعل ہاتھ

میں لے کر واپس بھاگنے ہی والا تھا کہ زلزلہ رُک گیا۔ پھر اُسے ایک آواز سنائی دی۔

”عمبر، کیا تم میری آواز کو پہچانتے ہو؟“

عمبر نے فوراً اُس آواز کو پہچان لیا۔ یہ اُس کے ہمدرد اور مشفق بزرگ اناطول درویش کی آواز تھی۔

”میرے بزرگ درویش اناطول، یہ آپ ہی کی آواز ہے۔ میں نے آپ کی آواز پہچان لی ہے۔“

”میرے بیٹے، تم نے میری آواز کو ٹھیک پہچانا۔ میں اناطول درویش کی روح ہوں۔ سنو، تم اپنی والدہ کے بارے میں فکر کرنا چھوڑ دو۔ تمہاری والدہ کی روح جنت میں آرام کر رہی ہے۔“

”کیا میں اپنی والدہ کی روح سے مل سکتا ہوں؟“

”نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔ رب عظیم نے تمہاری والدہ کی روح کو جنت کے سب سے بلند حصے میں پہنچا دیا ہے۔ تم سے ملنے کے لیے روح کو بہت نیچے آنا پڑے گا اور اس سے اُسے تکلیف ہوگی۔“

عمبر نے بے تابی سے کہا :

”رب عظیم کا واسطہ ہے اناطول، مجھے بھی میری ماں کے پاس پہنچا دو۔ میں اب زندہ رہنا نہیں چاہتا۔“

”ایسا ناممکن ہے عمبر، تم اب زندہ رہو گے۔ قیامت تک

زندہ رہو گے۔ یہ تمہاری تقدیر کا مفیدہ ہے۔ تم اگر چاہو بھی تو مر نہ سکو گے۔

”یہ تو ایک عذاب ہے انا طول۔“
 ”جیسے تم عذاب کہہ رہے ہو۔ وہ تمہاری خوش قسمتی ہے عمنبر، رب عظیم نے تمہیں یہ موقع دیا ہے کہ تم تاریخ کا سارا کھیل اپنی آنکھوں سے دیکھو۔ تہذیبوں کو اُبھرتے اور مٹتے دیکھو۔ بہاروں کو گتے اور پھولوں کو ہر موسم میں کھلتے دیکھو۔ تم پرندوں اور چشموں کے نغموں کو قیامت تک سُنتے رہو گے۔ پھر مجدداً تم گھاٹے میں کیسے ہو؟ تم تو بڑے فائدے میں ہو۔ تم نے تو آبِ حیات پی لیا ہے۔“

”لیکن انا طول، میں قیامت تک زندہ رہنا نہیں چاہتا۔“
 ”اب کچھ نہیں ہو سکتا۔“ ہر تمہاری تقدیر لکھی جا چکی ہے۔“
 ”انا طول، کیا تم مجھے یہ نہیں بتا سکتے کہ ہمارے گھر کے کتنے فوج بھرتا رکھی ہے اور اس کے پاس اسلحہ کتنا ہے؟“

”عمنبر بیٹے، یہ دُنیا والوں کی چیزیں ہیں اور دُنیا والے ہی اسے جانتے ہیں۔ ہم کو ان کے معاملات میں دخل دینے کی اجازت نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں تمہیں سیلینی بال نے اسی لیے یہاں بھیجا ہے۔ پس تم ہنس کام کو خود ہی کر دو گے۔ میں اس سلسلے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ اچھا الوداع!“
 ”انا طول، انا طول!“

”الوداع، الوداع، الوداع“

عزیز بزرگ درویش اما طول کی رُوح کو پہچان ہی رہ گیا اور اُس کی رُوح کی آواز اُسے الوداع کہتی دُور ہونے ہوتے غائب ہو گئی اب غار میں سوائے چٹے کے بننے کی آواز کے اور کوئی آواز نہیں تھی۔ عزیز کے لیے اب وہاں کھڑے رہنا بے کار تھا۔ اُس نے مشعل اٹھائی اور واپس چل پڑا۔ مال کی قبر کے پاس سے گزرتے ہوئے اُس نے ایک بار پھر دُعا پڑھی اور اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر وہ مشعل کو بچھا کر غار میں سے باہر نکل آیا۔ غار کے اندر اندھیرا تھا مگر باہر تھیں کے دیران کھنڈروں پر سُوچ چمک رہا تھا اور صحرا کی ریت گرم ہو رہی تھی۔ عزیز کا گھوڑا کھجوروں کے نیچے گھاس چر رہا تھا وہ گھوڑے پر سوار ہو کر واپس کاروان سرانے کی طرف روانہ ہو گیا۔ کاروان سرانے میں واپس آ کر وہ سوچنے لگا کہ مصر کی فوجوں کے بارے میں مکمل معلومات کہاں سے منیا کرے۔ یہ کام کافی مشکل تھا۔ اُس نے کسی سے اس کا ذکر نہ کیا تھا۔ سرانے کے مالک کو اُس نے یہی بتایا تھا کہ وہ سیمس میں بیماروں کا علاج کر کے اپنی روزی کمانے آیا ہے؛ چنانچہ سرانے میں ہی مریضوں نے اُس کے پاس آنا شروع کر دیا تھا۔ تھوڑے ہی دنوں میں اُس کی شہرت سارے شہر میں پھیل گئی۔ ایک روز وہ بیٹھا بیٹھا بڑی بوٹیوں کو رگڑ کر روٹی بنا رہا تھا کہ باہر ایک گھوڑ سوار سپاہی

کر رکھا۔ اُس نے عینبر سے آکر کہا کہ فوج کا ایک کماندار شدید سر درد میں مبتلا ہے۔ اُس نے عینبر کو اپنے محل میں بلایا ہے۔ عینبر تو اسی گھڑی کا انتظار کر رہا تھا۔ فوراً سپاہی کے ساتھ چل پڑا۔

سپاہی عینبر کو فوج کے کماندار کے چھوٹے سے محل میں لے گیا کماندار شدید سر درد میں مبتلا بستر پر لیٹا ترپ رہا تھا۔ عینبر نے اُس کی حالت دیکھ کر فوراً ایک دوائی پلائی۔ اُسے کچھ افاتہ ہو گیا۔ اُس نے عینبر کی طرف دیکھ کر کہا :

”یہ کیسی دوائی ہے جس نے فوراً میرا سر درد دور کر دیا؟“
عینبر نے کہا :

”یہ درد عارضی طور پر دور ہوا ہے۔ پورا علاج کرنے کے لیے آپ کے سر کو ایک جگہ سے کھول کر دیکھنا ہوگا۔“
کماندار نے چونک کر کہا :

”کیا تم کھوپڑی کھولنے کے فن سے واقف ہو؟“

”کیوں نہیں جناب، میرے باپ دادا یہی کام کرتے آئے ہیں۔“
”اور اگر میں مر گیا تو؟“

”ایسا کبھی نہیں ہوا جناب کہ میں نے کسی کی کھوپڑی کھول کر علاج کیا ہو اور وہ مر گیا ہو۔“

”یاد رکھو، اگر میں مر گیا تو میرے سپاہی تمہاری گردن قلم کر دیں گے۔ کیا یہ شرط تمہیں منظور ہے؟“

”منظور ہے۔“

”تو پھر تیاری کرو۔“

عنبہ نے کھوپڑی کھولنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اوزار نکال کر گرم پانی میں ڈال دیے۔ کماندار کا سدا سہ مونڈ ڈالا۔ پھر اُسے ایک دوائی پلا کر بے ہوش کر دیا۔ جب وہ پوڈی طرح بے ہوش ہو گیا تو عنبہ نے ربِ عظیم کا نام لے کر تیز دھماکے سے پاتوں سے کماندار کی کھوپڑی کے ایک طرف پورس نشان لگایا اور گہرا شکار ڈال کر وہاں سے کھوپڑی میں سوراخ کر دیا۔ اس کے بعد اُس نے بائیں ہاتھ سے کماندار کی گھٹائی میں ایک طرف جمع شدہ غدود ٹکڑے کو باہر نکال دیا۔ اب اُس نے جلدی سے کھوپڑی کا ٹکڑا اُسی جگہ جہاں دھال سونے کے تاروں سے ٹانگے لگا کر کھال اُکھال کے اُوپر منڈھ دی۔ کھال کے زخم پر دوائی لگا کر اُس نے پانچ باندھ کر سر کو بستر پر بٹا دیا اور سب کو ہدایت کر دی کہ ہوش آنے پر انہیں سر ہلانے کی اجازت نہ دی جائے۔

اس دوران میں عنبہ کماندار کی بیوی کے پاس جا کر اُسے حوصلہ دینے لگا۔ اُس کی بیوی بڑی پریشان تھی۔ عنبہ نے اُسے دلا دیا اور کہا کہ اب اُس کے خاندان کو زندگی بھر سر میں درد نہیں ہوگا۔ تیسرے پہر کماندار کو ہوش آگیا۔ اُس نے آنکھیں کھول دیں اور اپنی بیوی کو بولا کہ اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ کماندار کے چہرے

تندرستی کے آثار تھے۔ ایک ہفتے کے اندر اندر زخم ٹھیک ہو گیا اور
کماندار بھلا چنگا ہو کر اُٹھ بیٹھا۔ وہ عنبر کے علاج سے اس قدر
خوش ہوا کہ اُس نے عنبر کو اپنا بھائی بنایا اور کہا :

”تم جب اور جس وقت چاہو بلا روک ٹوک میرے محل میں
آ سکتے ہو۔ تمہیں کوئی نہیں روک سکے گا۔“

عنبر یہی چاہتا تھا۔ اب اُس نے کماندار کے محل میں آ جانا
شروع کر دیا۔ اُسے معلوم ہوا کہ یہی وہ کماندار ہے جس کے ماتحت
منجینیقیں چلانے والی فوج کا دستہ ہے۔ عنبر نے ایک مہینے کے
اندر ہی کماندار پر اپنا اعتبار جمایا۔ اپنی باتوں سے اُس نے
ظاہر کیا کہ اُسے سوائے بیماروں کے علاج کے اور کسی شے
سے دل چسپی نہیں ہے۔

”پھر بھی کبھی کبھی دل میں شوق پیدا ہوتا ہے کہ وہ شے
اپنی آنکھوں سے دیکھوں جو دشمن کے قلعے اور فوج پر بیماری پھرتی
اور آگ پھینکتی ہے۔“

”تمہارا مطلب ہے کہ تم ہماری بے مثال منجینیقیں دیکھنا چاہتے

ہو عنبر۔“

”اگر آپ کی مرضی ہو تو دکھا دیں۔ اگر آپ نہیں چاہتے
تو بے شک نہ دکھائیں۔ میں ناراض نہ ہوں گا۔“
کماندار نے عنبر کی پیٹھ ٹھونک کر کہا :

”تم بنے میری جان بچا کر اور مجھے درد سے نجات دلا کر
مجھ پر ایک بہت بڑا احسان کیا ہے۔ تم جو بھی خواہش کرو
اُسے پورا کرنا میں اپنا اخلاق فرض سمجھتا ہوں۔ کل اسی وقت
میرے ساتھ چلنا۔ کہیں مہین مصری فوج کا سب سے خطرناک ہتھیار
منہیق دکھاؤں گا۔“

”میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں گا۔“

دوسرے روز عین بڑی تیاری کرنے کے کماندار کے محل میں
پہنچ گیا۔ وہ اسی دن کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں
بے حد خوش تھا۔ یہ وہ راز تھا جو اُسے سوائے کماندار کے اور
کوئی بھی نہیں بتا سکتا تھا۔ محل میں کماندار اُس کی راہ دیکھ رہا
تھا۔ وہ عین کو اپنے شاندار فوجی رتھ میں بیٹھا کہ ابراہم مصر کے
علاقے کی طرف روانہ ہو گیا۔ ابراہم کے عقب میں ایک بہت بڑے
پہاڑ کو کھود کر اُس کے اندر ایک بے حد لمبا چوڑا کمرہ بنا دیا
گیا تھا۔ یہ کمرہ اُونچا اور وسیع تھا۔ یہاں فرعون کی فوج کا سب
سے خطرناک ہتھیار پڑا تھا جس سے ہینی بال ایسا بادشاہ بھی گھبراتا
تھا۔ عین اس کشادہ ہال کمرے میں داخل ہوا۔

کماندار نے ہاتھ کے اشارے سے کہا :

”دیکھو، یہ ہیں ہماری فوج کی طاقت و منہیتیں، جو بڑے
سے بڑے دشمن کی فوج کو تھس تھس کر سکتی ہیں۔“

عنبر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اُس قدر لمبا پوڑا بال کمرہ بے شمار منجنيقوں سے لدا ہوا تھا۔ یہ گویا اُس زمانے کی توپ تھی اور دشمن کے لیے تباہی کا پیام لاتی تھی۔ عنبر ایک ایک توپ کو غود سے دیکھنے لگا :

”مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے کہ آپ ایسے بہادر جرنیلوں نے مصر کی فوج کو ایسے خطرناک ہتھیار سے لیس کر رکھا ہے۔ رب عظیم کی قسم دشمن ہماری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔“
کماندار نے قہقہہ لگا کر کہا :

”ہم دشمن کی اینٹ سے اینٹ بجا سکتے ہیں۔“
”بے شک، بے شک!“

عنبر نے مصر آنے کا مقصد حاصل کر لیا تھا۔ اب وہ اُس سلطنت سے انتقام لے سکتا تھا۔ جس کے بادشاہ نے اُس کے خاندان کو برباد کیا تھا۔ کماندار کے ساتھ عنبر اُس کے محل میں آگیا۔ دوپہر کا کھانا اُس نے محل میں ہی کھایا۔ شام کو وہ کماندار سے اجازت لے کر واپس کاروان سرانے میں آگیا۔ اب وہ جلد سے جلد واپس سے نکل ہانا چاہتا تھا۔ مگر وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو اس پر شک پڑے۔ اُس نے یہ مشورہ کر دیا کہ وہ بڑی بوٹیوں کی تلاش میں بابل کے جنگلوں میں ہانا چاہتا ہے۔ کسی کو بھلا عنبر کی اس خواہش پر کیا شبہ ہو سکتا تھا۔ وہ حکیم تھا اور اُسے

ہمیشہ بڑی بوٹیوں کی تلاش دہتی تھی! چنانچہ ایک روز اُس نے کماندار سے اجازت طلب کی۔ کماندار نے کہا :

”مجھے امید ہے، تم بہت جلد بڑی بوٹیاں تلاش کر کے واپس میمض آ جاؤ گے!“

”یہ ایک ہفتے کے اندر اندر آپ کی خدمت میں ہوں گا۔“

”تمہارا آتا اس لیے بھی ضروری ہے کہ میں بادشاہ سے کہہ کر تمہیں شاہی طبیب کے عہدے پر فائز کرانا چاہتا ہوں۔“

”یہ آپ کی ذمہ داری ہوگی جناب، وگرنہ میں کس لائق ہوں؟“

”نہیں نہیں عزیز، تم اپنے وقت کے ایک ماہر طبیب ہو۔ شاہی دربار کی کرسی تمہارا حق ہے اور میں یہ حق تمہیں ضرور دلوا کر رہوں گا۔“

”اگر آپ کی یہی خواہش ہے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے بھلا۔ میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔“

”میں تمہاری واپسی کا بے تابی سے انتظار کروں گا۔“

”میں آپ کو زیادہ انتظار کی زحمت نہیں دوں گا۔“

اسی رات پہلے پہر عین مصر سے واپس روانہ ہو گیا۔ کماندار نے فوج کا ایک خاص دستہ عینبر کے ساتھ کر دیا۔ آتی دفعہ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آیا تھا۔ مگر باقی دفعہ وہ ایک شان دار فوجی رتھ میں سوار تھا جسے چھ متومند عربی گھوڑے چلا رہے تھے۔ ان تیز

رفتار رتھوں کی وجہ سے اُنہوں نے تین روز کی مسافت صرت ڈیڑھ دن میں طے کر لی ۔

دوسرے دن شام کو دہ مہر کی سرحد پر کھڑا تھا۔ اُس نے دواؤں کا جھولا اپنے کندھے پر ڈالا۔ اپنے سفید گھوڑے پر سوار ہوا اور سپاہیوں سے ہاتھ ہٹا کر واپس ایلام کی طرف چل پڑا۔ اُس کا دل خوشی سے اُچھل رہا تھا۔ دہ مہر کی سرحد سے ایلام پہنچ کر سردار اور بہینی بال کو خود فرعونوں کی فوج اور منجنیقوں کے ہالے میں بتانا چاہتا تھا۔ جوں جوں افریقیہ کی سرحد قریب آرہی تھی غبر کا دل خوشی سے دھڑکنے لگا تھا ۔

فرعون کی تباہی

رات کے پہلے پہر عبیر ایلام پہنچ گیا۔

سردار ابھی تک دربار میں تھا۔ شاید مصر پر حملے کے بارے میں کوئی خاص اجلاس ہو رہا تھا۔ عبیر نے وقت مناسب کرنا مناسب نہ سمجھا اور گھوڑے پر سوار ہو کر سیدھا ہینی بال کے شاہی محل کی جانب روانہ ہو گیا۔ ہینی بال اپنے جرنیلوں اور سردار کے ساتھ اپنے خاص کمرے میں جنگ کے بارے میں خفیہ اجلاس کر رہا تھا۔ عبیر نے حبشی غلاموں کے ہاتھوں اندر پیغام پہنچایا تو ہینی بال نے اُسے فوراً اندر بلا لیا۔ سردار نے دروازے پر اس کا خیر مقدم کیا۔

”عبیر! تم ٹھیک وقت پر آ گئے۔ جہاں پناہ کئی بار تمہارے بارے میں پوچھ چکے ہیں۔“

عبیر نے ہینی بال کو جھک کر سلام کیا۔ ہینی بال نے اُسے اپنے قریب بٹھایا اور کہا :

”اگرچہ ہم نے تمہارا بہت انتظار کیا۔ مگر ہمیں امید ہے کہ تم مصر سے کامیاب لوٹے ہو گے۔“

عبیر نے بڑے ادب سے کہا :

”جہاں پناہ“ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میں فرعونوں کے دیس میں
 جاؤں اور کامیاب واپس نہ کوٹوں ؟
 ”تو کیا تم ساری معلومات لے آئے ہو ؟“
 ”کیوں نہیں جہاں پناہ ؟“

عسبر نے چمڑے کا ایک نقشہ میز پر پھیلا دیا۔ یہ نقشہ اُس نے
 میفس میں کاروان سرلے کے کمرے میں بیٹھ کر بنایا تھا۔ ہینی بال
 سردار اور جرنیل بڑے غور سے نقشے کو دیکھنے لگے۔ عسبر نے ایک
 جگہ اشارہ کرتے ہوئے کہا :

”یہ پُرانے فرعونوں کے اہرام ہیں۔ ان اہراموں کے عقب میں
 یہ ایک پہاڑی ہے۔ اس پہاڑی کے اندر ایک لمبا چوڑا ہال
 کمرہ ہے جس میں سینکڑوں کی تعداد میں منجنتیں چھپا کر رکھی ہوئی
 ہیں۔“

ہینی بال خوشی سے نقشے کو دیکھ کر بولا :

”کیا فرعون ہمارے کی ساری منجنتیں اسی پہاڑی کے اندر
 جمع ہیں ؟“

عسبر کہنے لگا :

”جہاں پناہ“ میں اپنی آنکھوں سے انہیں دیکھ کر آ رہا ہوں۔
 پھر اُس نے کماندار کا علاج کیا۔ اُس کی کھوپڑی کھول کر ہمیشہ
 کے لیے اُسے سردرد کی شکایت سے نجات دلائی۔ پھر اُس کا

امتداد حاصل کیا اور ایک روز اُس کے ساتھ جا کر اس پہاڑی کے اندر موجود ساری منجینقوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ یعنی بال عہنر کی ہوشیاری، فراست اور دلیری کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ اُس نے کہ:

”اے شام کے حبیب، تم بلاشبہ اس لائق ہو کہ تمہیں فوج کا بلند سے بلند عہدہ دیا جائے۔ یہ بتاؤ کہ فرعون کی فوج کے بارے میں تم نے کیا معلومات حاصل کیں؟“

عہنر نے بیٹنی بال کو بتایا کہ فرعون مہارکہ نے تخت پر قبضہ کرنے کے بعد فوج کی امتداد کو تھوڑا سا بڑھا دیا ہے۔ اُس نے فوجیوں کی تنخواہوں میں بھی اضافہ کر دیا ہے۔ اس وقت فرعون کے پاس پچاس ہزار پیدل فوج اور پچیس ہزار گھوڑ سوار فوج موجود ہے۔

”یہ فوج کس جگہ قیام رکھتی ہے؟“

”آدھی فوج شہر سے باہر ایک عمارت میں رہتی ہے اور باقی آدھی فوج شاہی محل کے باہر پتھر کی چھتوں والے مکانوں میں رہتی ہے۔“

”کیا اُن کے پاس ہاتھی بھی ہیں؟“

”ہاتھیوں کی تعداد بہت کم ہے۔ زیادہ تر ہاتھی میمن میں منجینقین ادھر سے ادھر لے جانے کے کام آتے ہیں۔“

”اور ہمارے پاس پانچ سو ہاتھی ہیں جو فرعون کی فوج کو ایک ہی رات میں کچل کر رکھ دیں گے۔ لیکن ہمیں سب سے زیادہ خطرہ

منجیقول سے تھا۔ اس لیے کہ اس فن میں مصریوں کا کوئی مقابلہ نہیں۔ اس کے لیے ہم تمہارے شکر گزار ہیں کہ تم نے اس بارے میں ہمیں پوری معلومات فراہم کر دیں۔ اب فرعون مہار کہ شکست سے ہرگز نہیں بچ سکتا۔ شکست اُس کی قسمت میں لکھی جا چکی ہے۔“

پھر ہمینی بال نے اپنے جرنیلوں کو حکم دیا کہ فرعون کے ملک پر چڑھائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ جرنیلوں نے سر جھکایا اور باہر نکل گئے۔ ہمینی بال، سردار اور عنبر آدھی رات تک بات چیت کرتے رہے۔ ہمینی بال کا خیال تھا کہ جس وقت فوج فرعون کی سرزمین پر پہنچے تو بہادر سپاہیوں کا ایک خاص دستہ پہاڑی پر حملہ کر کے تمام کی تمام منجیقول کو آگ لگا دے۔ عنبر نے کہا:

”جہاں پناہ، میرا خیال ہے، ہماری فوج کو یہ کام چڑھائی سے ایک روز پہلے رات کو کرنا چاہیے۔ اس کے بعد ہمیں عام حملہ کر دینا ہو گا۔“

”تمہارا خیال بھی صحیح ہے، پہاڑی پر حملہ ہم رات کے وقت خفیہ طریقے سے اچانک کریں گے۔ اس کے ساتھ ہی دوسرا دستہ ہتھیوں کے اصطل میں آگ لگا دے گا تاکہ ہمتی ہدک کر بھاگ جائیں اور اپنے ہی ملک میں تباہی پھیلا دیں۔“

”اور ٹھیک اس افواجی میں ہماری فوج کو دشمن پر عام

صلہ بول دینا ہوگا۔

”ایسا ہی ہوگا۔“

آدھی رات کے بعد سردار اور عنبر واپس اپنی حویلی میں آئے تو وہ بہت تھکے ہوئے تھے۔ وہ بیٹھے ہی سو گئے۔ صبح اٹھ کر وہ محل میں پہنچ گئے۔ فوج میں تیاریاں بڑے زور شور سے ہو رہی تھیں۔ اسلحہ خانے میں دھڑا دھڑ تیر کمان، نیزے، تلواریں اور دوسرا جنگی سامان تیار کیا جا رہا تھا۔ ایک ہفتے کے اندر اندر ساری فوج کو چلنے کے لیے تیار کر دیا گیا۔

اور پھر ایک روز ہینری بال کی ستر ہزار فوج نے فرعون کے شہر ممفس کی طرف کوچ بول دیا۔ فوج نے دس ٹکڑیوں میں الگ الگ راستوں سے اپنا سفر شروع کیا۔ رستوں پر سوار فوجیوں کا دستہ دریا کے ساتھ ساتھ روانہ ہوا۔ ہاتھیوں کا دستہ پہاڑی راستے کو چھوڑ کر میدانی راستے سے چلا۔ گھوڑ سوار ہینری بال کے ساتھ تھے اور پیدل فوج ایک بہت بڑے جہاز میں سوار ہو کر دریائے نیل کے دانے کی طرف روانہ ہو گئی۔ گیارہ روز کے سفر کے بعد یہ ساری کی ساری فوج مہر کی سرحد پر ایک جگہ اکٹھی ہو گئی۔ پیدل فوج جہاز میں سے اتر کر دریائے نیل کے کنارے کنارے چلتی گھوڑ سواروں، ہاتھی والوں اور رتھ سواروں سے آن ملی۔ منجنیقیں بھی ساری کی ساری صبح سلامت پہنچ گئیں۔ یہ ساری جنگی کارروائی بڑی خاموشی اور رازداری

سے ہوئی۔ پھر بھی خبر کرنے والے جاسوسوں نے فرعون مصر ہمارے کو خبر کر دی کہ ہینن بال افریقہ سے بڑی فوج لے کر مصر کی سرحد پر پہنچ گیا ہے۔

فرعون نے جنگ کا اعلان کر دیا اور میمنہ شہر کے تمام دروازے بند کر دیے۔ اُس نے پہاڑی پر پہرہ بٹھا دیا۔ ایک لاکھ پیدل اور گھوڑ سوار فوج کو لے کر شہر سے باہر نکل آیا اور ایک ریتلے میدان میں ٹیلوں کے درمیان پڑاؤ ڈال کر دشمن کا انتظار کرنے لگا۔ شہر کی تفصیل کے اوپر پہاڑی تیر کمان لے کر چڑھ گئے تھے۔ وہاں کھولتے ہوئے تیل کے بڑے بڑے کڑاھے بھی رکھ دیے گئے تھے۔ یہ کھوتا ہوا تیل دشمن کے اُن سپاہیوں پر انڈیلا جاتا تھا جو تفصیل کی دیوار پر میٹھی لگا کر چڑھنے کی کوشش کرتے تھے۔

اب ہینن بال نے اپنی خاص چال چلی۔ اُس نے بیس ہزار فوج کو پیچھے رکھا۔ پندرہ ہزار فوجوں کو آگ لگانے کا سامان دے کر پیچھے سے ہو کر پہاڑی کی طرف روانہ کر دیا اور خود تیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ سامنے کی طرف سے اُس میدان کی طرف بڑھنے لگا جہاں فرعون ہمارے کی فوجوں نے ڈیرا ڈال رکھا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ فرعون کی فوج کو سامنے کی طرف اکبھائے رکھے۔ تاکہ عقب کی طرف جانے والی پندرہ ہزار فوج کے سپاہیوں کو پہاڑی پر حملہ کر کے منجیقوں کو آگ لگانے کا موقع مل جائے۔ فرعون اُن منجیقوں کو آخری وقت

میں نکالنا چاہتا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ اُس کی ایک لاکھ فوج
ہینی بال کے سپاہیوں کو کھل کر رکھ دے گی۔

جنگ شروع ہو گئی۔ سپاہی شیروں کی طرح لڑنے لگے۔ تیروں
نیزوں کی بارش شروع ہو گئی۔ تلوار، بھل کی طرح چلنے لگی۔ دوسری طرف
پندرہ ہزار سپاہیوں نے اہرام کے پہلو والی پہاڑی پر حملہ کر دیا۔
وہاں فرعون کی مختصر سی فوج تھی۔ ہینی بال کے سپاہیوں نے اُسے
ہلاک کر کے پہاڑی کا دروازہ توڑ دیا اور اندر داخل ہو گئے۔ اندر اُنہیں
بے شمار منجنیقیں نظر آئیں تو وہ حیران رہ گئے۔ عینبر کی جاسوسی کام
کر گئی تھی۔ سپاہیوں نے ساری منجنیقوں پر رال کا تیل پھینک کر آگ
لگا دی۔ منجنیقیں لکڑی کی تھیں۔ رال نے بھڑک کر اُنہیں جلانا شروع
کر دیا۔ سپاہی آگ لگا کر واپس چل پڑے۔

میدان جنگ میں لڑائی ہو رہی تھی کہ کسی نے فرعون کو آکر بتایا
کہ دشمن نے پہاڑی پر حملہ کر کے ساری منجنیقوں کو آگ لگا دی ہے۔
یہ فرعون کے لیے ایک بہت بڑا صدمہ تھا۔ وہ بوکھلا گیا۔ مگر اُس
نے ہمت نہ ہاری اور کسی سے کچھ نہ کہا۔ وہ اپنے ہاتھی سے اُترا اور
گھوڑے پر سوار ہو کر اُسے دوڑاتا ہوا اہرام کے پہلو والی پہاڑی پر
پہنچ گیا۔ پہاڑی کے دروازے سے آگ کے شعلے آتش فشاں پہاڑ کی
طرح باہر نکل رہے تھے۔ پہاڑی کے اندر ساری کی ساری منجنیقیں
جل کر راکھ ہو رہی تھیں۔ فرعون وہیں سے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا

واپس میدان جنگ میں آگیا۔ ہینی بال کو معلوم ہوا کہ دشمن کا سارا
اسلحہ جل کر راکھ ہو گیا ہے تو اُس نے ایک نئے ہندبے اور دلوے
کے ساتھ حملہ کر دیا۔ یہ حملہ ہینی بال کی ساری فوج کا حملہ تھا اور
اس قدر شدید تھا کہ فرعون کی فوج کے قدم اکھڑنا شروع ہو گئے۔
فرعون کے جرنیل اپنے سپاہیوں کی ہمت بڑھانے کی سر توڑ کوشش
کر رہے تھے۔ مگر ہینی بال کی تازہ دم فوج کا دباؤ شدید ہو رہا تھا۔
آخر فرعون کی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے اور اُس نے پیچھے ہٹنا شروع
کر دیا۔ ہینی بال اب خود میدان جنگ میں کود پڑا اور دشمنوں کو
گاجرمول کی طرح کاٹنے لگا۔ یہ عالم دیکھ کر فرعون کی فوج کا دباہا
حسد بھی جواب دے گیا۔ اُس نے شہر کی فصیل کی طرف بھاگنا شروع
کر دیا۔ فرعون اس سے پیٹے بھاگ کر شہر میں داخل ہو چکا تھا۔

ہینی بال بھاگتی ہوئی فوج پر نیرے اور تیرہ سارے ہزاروں
فوجی ہلاک کر دیے گئے۔ ہینی بال فصیل کے قریب پہنچ کر رک گیا
اُس نے اپنی فوج کو نئے سرے سے ترتیب دیا اور فصیل پر منجیقوں
سے پتھر پھینکنے شروع کر دیے۔ مگر یہ منجیقیں ہکی شہر کی تھیں۔

ہینی بال نے ہاتھیوں کو چھوڑ دیا تاکہ وہ شہر کے دروازے کو
توڑ ڈالیں۔ فصیل کے اوپر بیٹھے ہوئے سپاہیوں نے ہاتھیوں پر گھونٹا
ہوا گرم گرم تیل انڈیل دیا۔ ہاتھی جل کر مر گئے اور سینکڑوں فوجی
بھی جل کر بھسم ہو گئے۔ ہینی بال نے حملہ روک دیا۔ فوج واپس

غیموں میں آرام کرنے لگی۔ لاشوں کو جلادیا گیا اور زخمیوں کی مرہم پٹی کی گئی۔ ہینی ہال نے اپنے سپہ سالاروں کا ہنگامی اجلاس طلب کر لیا۔ ممبر بھی اس اجلاس میں شریک تھا۔ وہ رات گئے تک اس مسئلے پر غور کرتے رہے کہ شہر کی فسیل کو توڑ کر اندر کیسے داخل ہوا جائے۔ پتھر پھینکنے والی لکڑی کی مشینیں کمزور تھیں۔ فسیل کے اوپر فوجوں کی بہت بڑی تعداد تیر کمان 'نیرے اور کھوتا ہوا تیل ایسے بیٹھی تھی۔ ایک جرنیل نے کہا کہ شہر کا محاصرہ کر لیا جائے۔ شہر کے اندر کی خوراک اور پانی ختم ہو جانے پر فرعون خود بخود ہتھیار ڈال دے گا۔ اس پر ممبر نے کہا :

”مجھے ذاتی طور پر معلوم ہے کہ اس بڑے شہر میں پانی اور خوراک اس قدر موجود ہے کہ فرعون کی فوج ایک سال تک زندہ رہ سکتی ہے۔“

ہینی ہال نے گرج کر کہا :

”میں ایک سال تک انتظار نہیں کر سکتا۔ جو کچھ کرنا ہے کل

ہی ہو جانا چاہیے۔“

سپہ سالار نے کہا :

”پھر جیسا آپ کا حکم ہو ہم اسی پر عمل کریں گے۔ ہماری فوج

آپ کے اشارے پر جان کی بازی دگا دے گی۔“

ہینی ہال نے اٹھ اٹھا کر کہا :

”کل ہم فیصلہ کن حملہ کریں گے : ایک ہی ہتے میں شہر کی تفصیل کے دروازے کو توڑ کر شہر میں داخل ہو جائیں گے“
 ”ایسا ہی ہوگا جہاں پناہ“

دوسرے دن ہینی بال کی تازہ دم فوج نے جڑوں اور بھوتوں کی طرح میمنس شہر کی تفصیل پر حملہ کر دیا۔ وہ قد آدم ڈھالوں کی آڑ میں بیڑھیاں لے کر آگے بڑھے اور شہر کی دیوار کے نیچے پہنچ گئے۔ فرعون کی فوج نے اُن پر تیرا نیزے اور کھوتا ہوا تیل انڈینا شروع کر دیا۔ بے شمار فوجی جل کر بھسم ہو گئے۔ مگر اُن کی سبک تازہ دم سپاہی آگئے۔ آخر ہینی بال کی فوج کے کچھ سپاہی دیوار کے اوپر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے تفصیل کے کئی مورچوں پر قبضہ کر کے فوجیوں کو ہلاک کر دیا۔

اس فتح نے ہینی بال کی فوج میں زندگی کی ایک نئی روح پھونک دی۔ وہ پہاڑ بن کر شہر کے بڑے دروازے سے ٹکڑا گئے۔ باغیوں نے اس زور سے ٹکمریں ماریں کہ شہر پناہ کے دروازے اکٹھے کر گر پڑے۔ ہینی بال کی فوج فتح کے نعرے لگاتی شہر میں داخل ہو گئی۔ انہوں نے مصر کا دارالحکومت فتح کر لیا تھا۔ فرعون کی فوج نے سجاگنا شروع کر دیا۔ ہینی بال کے سپاہیوں نے شہر میں لوٹ مار اور قتل عام شروع کر دیا۔ انہوں نے مکا نول کو آگ لگا دی جو عیوں کو لوٹ کر نذر آتش کر دیا۔ ہینی بال اپنے خاص گھوڑ سوار دستے

کے ساتھ فرعون کے محل کی طرف بڑھنے لگا۔

فرعون نے اپنے سپاہیوں کے ساتھ محل کے بڑے دروازے پر آخری مقابلہ کیا۔ مگر اب وہ جنگ مار چکا تھا۔ سپاہی اُس کا ساتھ چھوڑ کر فرار ہو رہے تھے۔ ہلینی بال نے لڑتے لڑتے آگے بڑھ کر فرعون پر تلوار کا ایک بھرپور ہاتھ مارا اور اُس کی گردن قلم کر کے سر نیزے پر چڑھا کر بلند کر دیا۔

”فرعون قتل کر دیا گیا ہے۔“

ہلینی بال ایک فاتح بادشاہ کی حیثیت سے فرعون کے محل میں داخل ہو گیا۔ اُس نے فرعون کی ملکہ کو حراست میں لیا اور شاہزادیوں کو محل کی چار دیواری میں قید کر دیا۔ اس کے بعد اُس نے فرعون کا سونے کا تاج سر پر رکھا اور ہیرے موتیوں والے انتہائی قیمتی تخت پر بیٹھ کر اعلان کیا :

”آج سے فرعونوں کا عزور خاک میں مل گیا ہے۔ ممیف کے لوگ آزاد ہیں۔ قتل عام بند کر دیا جائے۔ کسی مکان کو لوٹ کر آگ نہ لگائی جائے۔ لوگوں کو اجازت ہے کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق عبادت کریں۔ کسان کھیتوں میں کام کریں۔ انہیں ہر طرح کا آرام دیا جائے گا۔ ان پر سے ناجائز ٹیکس ہٹا دیے جائیں گے۔ فرعون یہاں کا خدا بن بیٹھا تھا۔ مگر میں خدا نہیں ہوں۔ میں آپ کا بادشاہ ہلینی بال ہوں۔ جس کا جھنڈا سارے

افریقہ میں لہراتا ہے !

اس اعلان کے ساتھ ہی شہر میں قتل عام اور لوٹ مار بند کر دی گئی۔ مگر اس دوران میں ہینی بال کے وحشی سپاہیوں نے ہزاروں انسانوں کو ہلاک کر دیا تھا اور سینکڑوں مکانات کو لوٹ کر آگ لگا دی تھی۔ عنبر جلے ہوئے، لاشوں سے بھرے ہوئے بازاروں میں سے گزرتا اُس کا روانہ سرائے تک گیا جہاں وہ آکر ٹھہرا تھا۔

سرائے کے مالک کا سارا سامان ٹوٹا پڑا تھا اور اُس کی لاش ایک چبوترے پر خون میں نہائی ہوئی پڑی تھی۔ عنبر محل میں واپس آگیا۔ وہ کماندار اور اُس کی بیوی نے عنبر کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا تھا۔ کماندار کے محل کو بھی سپاہیوں نے لوٹ لیا تھا۔ کماندار کو ہلاک کر دیا گیا تھا اور اُس کی لاش ایک صدف کے اوپر پڑی تھی۔

اُسے معلوم ہوا کہ کماندار کی بیوی کو بھی دوسری شہزادیوں اور کینزوں کے ساتھ خاص محل کی چار دیواری میں قید کر دیا گیا ہے۔ عنبر کو خوشی ہوئی کہ وہ عورت ہلاک ہونے سے بچ گئی ہے۔ وہ اُس کی مدد کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ مصیقت میں اُس عورت نے عنبر کے ساتھ نیک سلوک کیا تھا۔ وہ کماندار کی بیوی کے انسانی برتاؤ کا اُسے بدلہ دینا چاہتا تھا؛ چنانچہ وہ زمانہ محل کی طرف

چل پڑا۔ وہ ہلینی ہال کا خاص آدمی تھا۔ اُسے محل کے پہریاروں نے بالکل نہ روکا۔ وہ محل کے اندر داخل ہو کر کماندار کی بیوی کو تلاش کرنے لگا۔ آخر وہ اُسے ایک درخت کے نیچے ہال کھوے اداس بیٹی مل گئی۔ وہ اُس کے قریب گیا تو کماندار کی بیوی نے اُس کی طرف حیرانی اور نفرت سے دیکھا۔

”تم ہلینی ہال کے جاسوس تھے۔ تم نے ہمارے ساتھ دشمنی کی۔ میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔“

پاکستانی یونیورسٹی
ڈاٹ کام

قاتلانہ حملہ

مصری کماندار کی بیوی عسبر کو جاسوس سمجھتی تھی۔
عسبر نے اُسے بہت سمجھانے کی کوشش کی۔ مگر وہ اپنی رٹ
لگاتی گئی اور یہی بار بار کہتی کہ عسبر نے فریون کے ساتھ غداری
کی ہے۔ آخر عسبر نے کہا :

”بیگم صاحبہ، میں آپ کے پاس اس لیے نہیں آیا کہ آپ
مجھے جاسوس ثابت کرنے کی کوشش کریں۔ میں صرف اس لیے آیا
ہوں کہ آپ نے مجھ سے اچھا برتاؤ کیا تھا۔ میں اس برتاؤ کا بدلہ
چکنا چاہتا ہوں۔ مجھے بتائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟
بیگم نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

”مجھے تم سے کچھ نہیں چاہیے۔ میں ایک غیر ملکی جاسوس اور
اپنے دشمن سے کوئی خدمت نہیں لینا چاہتی۔“
”یہ آپ کی بھول ہے۔ میں دشمن نہیں ہوں۔“
بیگم نے غصے میں آکر کہا :

”تم میرے دشمن ہی نہیں، میرے خاوند کے قاتل بھی ہو۔ اگر
تم بینی بال کے لیے جاسوسی نہ کرتے تو آج میرا سہاگ سلامت ہوتا۔“

تم قاتل ہو۔ یہاں سے چلے جاؤ۔“

عنبز کو بھی عفتہ آگیا۔ اُس نے کہا :

”سُنو بیگم صاحبہ! میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔ میں فرعون مصر
مہارکہ کا دشمن تھا۔ اس لیے کہ اس خاندان نے میری والدہ ملکہ
کو زہر دے کر ہلاک کیا تھا۔ میں مصر کے شاہی خاندان کا فرد ہوں۔
میں فرعون عاطون کا بیٹا ہوں۔ ملکہ نفرتی میری ماں تھی۔ فرعون
قمران نے میری ماں کو زہر دے کر ہلاک کر دیا تھا۔ آج ایک ہزار
برس بعد میں نے اس کے خاندان سے بدلے لے لیا ہے۔“

عنبز کی باتوں کو بیگم حیرت سے منہ کھولے سُن رہی تھی۔

”یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟“

”میں سچ کہہ رہا ہوں بیگم صاحبہ! میں ایک ہزار برس سے زندہ

ہوں اور شاید ابھی کئی ہزار برس زندہ رہوں گا۔“

بیگم اُس کا منہ ہی تھکتی رہ گئی اور وہ محل سے باہر نکل آیا۔

ہینی بال نے فرعون کی حکومت کو ختم کر کے اپنی حکومت قائم
کر لی اور خود تخت پر بیٹھ گیا۔ اُس نے عنبز کو وزیر دربار مقرر کر دیا۔
یہ ایک بہت بڑا اعزاز اور عزت تھی جو عنبز کو ملی۔ اس کی توقع
سردار کو بھی نہیں تھی۔ اوپر سے تو اُس نے عنبز کو مبارک باد دی۔
لیکن دل میں وہ حسد سے جل گیا۔ حقیقت یہ تھی کہ ہینی بال کا وہ
خود وزیر دربار بننا چاہتا تھا۔ اس کی بہت بڑی شکست ہوئی تھی۔

اُسے معلوم تھا کہ ہینی بال اب اپنے فیصلے کو بدل نہیں سکتا۔ ایک بار جو وہ فیصلہ کر دے تو اُس پر ڈٹ جایا کرتا ہے۔

سردار نے بھی دل میں ایک فیصلہ کر لیا۔ اُس نے سوچا کہ وہ اگر ساری زندگی بھی کوشش کرتا رہے تو اب وزیر دربار کبھی نہیں بن سکتا۔ اس کی ایک ہی صورت ہے کہ کسی طرح عنبر کو راستے سے صاف کر دیا جائے۔ اس کے بعد وہ ہینی بال کا وزیر بن سکتا ہے۔ عنبر کو ہلاک کرنا اُس کے لیے کوئی مشکل بات نہ تھی۔ مصیبت صرف یہی تھی کہ عنبر کو ہینی بال بہت پسند کرنے لگا تھا۔ وہ دربار میں اُس کو اپنے ساتھ بٹھاتا تھا۔ حکومت کے بارے میں ہر بات پر اُس سے مشورہ لیتا تھا۔ عنبر نے بھی اپنی خداداد دیانت اور جرات کی وجہ سے ہینی بال کے دل میں گھر کر لیا تھا۔ وہ شاہی محل میں بڑے ٹھاٹھ سے رہتا تھا اور شاہی رتھ پر سواری کرتا تھا۔ سردار نے سوچا کہ کیوں نہ ہینی بال کے دل میں عنبر کے خلاف نفرت پیدا کر دی جائے تاکہ بادشاہ اپنے طور پر ہی عنبر کو عہدے سے ہٹا کر جلا وطن کر دے۔

سردار نے اپنے خطرناک منصوبے پر سوچنا شروع کر دیا۔ اُس نے کئی تدبیریں سوچیں۔ آخر ایک تدبیر اُسے پسند آگئی۔ اس کے لیے سردار نے دربار کی سب سے خوبصورت اور بادشاہ ہینی بال کی منظور نظر کینز ہائمہ کو اپنے محل میں بلایا۔

ہائمہ ملک نوبیہ کی رہنے والی تھی اور اُس کی پیدائش ملک نوبیہ کے محل میں ہوئی تھی۔ وہ دربار کی سازشوں اور جوڑ توڑ سے پوری طرح واقف تھی۔ سردار نے اُسے بلا بھیجا تو وہ سمجھ گئی کہ ضرور سردار اُس سے کوئی خاص اور خطرناک کام لینا چاہتا ہے۔ وہ شام کے وقت، سردار کے محل میں سیاہ ببادہ اوڑھے داخل ہوئی سردار اُسے لے کر محل کے اوپر والے چوبارے میں لے گیا۔

ہائمہ نے ببادہ اُتار کر رکھتے ہوئے کہا :

”سردار! آپ نے اس کینز کو کیسے یاد کیا؟“

سردار نے کھڑکیوں کا پردہ ہرا کر کہا :

”ہائمہ! تم بادشاہ ہی کی منظور نظر کینز نہیں ہو بلکہ میں بھی تمہاری بہت عزت کرتا ہوں۔ صرف اس لیے کہ تم ایک عقلمند اور ولیعزت ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں نے شروع شروع میں ہر مشکل میں تمہارا ساتھ دیا تھا۔ تم نے مجھ سے جس قسم کی مدد مانگی۔ میں نے وہ تمہیں دی تھی۔ اب وقت آیا ہے کہ تم میرے لیے ایک کام کرو؟“

ہائمہ نے کہا :

”کینز کو حکم دیجیے۔“

”کام بڑی راز داری کا ہے۔“

”میں ہر قسم کی خدمت کے لیے حاضر ہوں میرے آقا۔ آپ

کے مجھ پر اتنے احسان ہیں کہ میں اگر ساری عمر بھی آپ کی خدمت کرتی رہوں تو وہ نہیں اُتر سکتے۔ آپ حکم کر کے تو دیکھیے ۔
 سردار نے ہاتھ سے کہا کہ کوئی ایسی تدبیر کرے کہ عین وزیر دربار بادشاہ ہیننی بال کی نظروں سے گر جائے بلکہ وہ اُسے مصر سے جلا وطن بھی کر دے۔ ہاتھ تھپتھپا کر ہنس پڑی ۔

”میرے آقا، بھلا یہ کام بھی کوئی مشکل کام ہے؟ میں ایسا چمکر چلاؤں گی کہ آپ بھی حیران رہ جائیں گے۔ بلکہ اگر آپ کہیں تو میں عینبر کا سر قلم کروا دوں ۔“
 ”نہیں نہیں، ابھی اس کی ضرورت نہیں۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ اُسے جلا وطن کر دیا جائے۔“
 ”ایسا ہی ہو گا۔ سنو۔“

اس کے بعد ہاتھ چلی گئی اور اُس نے اپنی سازش پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ بادشاہ ہیننی بال کو فرعون کے محل سے سُرخ سوتیل کا ایک بہت قیمتی ہار ملا تھا جو اُس نے اپنی چیمیتی ملک کو تحفے کے طور پر دے دیا تھا۔ ہیننی بال کو یہ ہار بہت پسند تھا اور وہ اُسے ہمیشہ ملک کے گلے میں دیکھنا پسند کرتا تھا۔ ملک ہمیشہ اسے اپنے گلے میں پہنے رکھتی تھی۔ صرف رات کو سونے کے وقت وہ اُسے اتار کر ایک صندوق میں بند کر دیتی تھی۔ ہاتھ ملک کی خاص کینز تھی۔ وہ ملک کو غسل کرواتی اور اس کا لباس تبدیل کرواتی تھی۔ ملک کو

ہائے پر بہت اعتبار تھا۔ ہائے کے متکار ذہن نے عزیز کے غلات ایک تدبیر سوچی اور اس کے مطابق ایک رات وہ ملک کی خواب گاہ میں گئی۔ ملک سونے کی تیاریاں کر رہی تھی۔ ہائے نے ملک کے سیاہ بالوں میں کنگھی کی۔ چہرے پر اُبٹن ملا۔ اُس کا بنا ہی لباس سنبھال کر رکھا۔ اُسے رات کا لباس پہنایا۔ ملک نے گلے میں سے ہار اُتار کر کہا :

”ہائے اسے سنبھال کر رکھ دو۔“

”جو حکم ملک عالم۔“

ہائے نے سُرخ موتیوں کا قیمتی ہار ملک کے اُتھ سے لے کر اُس کے سامنے صندوق میں بند کر دیا۔ ملک مسہمی پر لیٹ گئی۔ ہائے نے ساز پر ایک گیت چھیڑ دیا۔ اتنے میں بارہ دری میں نیلے آسمان پر چاند بھل آیا تھا۔ ملک نے چاند کو دیکھا تو کہا :

”میری مسہمی بارہ دری میں لگا دو ہائے۔ میں چارلی رات میں سونا چاہتی ہوں۔“

”جو حکم ملک عالیہ۔“

اور ہائے نے کینزوں کو بوا کر ملک کی مسہمی باہر بارہ دری میں لگوا دی۔ تھوڑی دیر وہ ملک کے پاس بیٹھی اُسے میٹھے میٹھے گیت سناتی رہی۔ جب اُس نے دیکھا کہ ملک سو گئی ہے تو دبے پاؤں اُٹھ کر باہر آ گئی۔ اُس نے صندوق کے پاس کھڑے ہو کر ایک بار پھر

پلٹ کر اطمینان کیا کہ ملکہ سو رہی ہے۔ پھر وہ صندوق پر ٹھکل۔ پلک چپکنے میں صندوق کھول کر سُرخ موتیوں کا مار نکال کر جیب میں ڈالا اور صندوق بند کر کے کمرے سے باہر نکل گئی۔

اُس کے خطرناک منصوبے کا پہلا حصہ مکمل ہو گیا تھا۔ رات کے وقت وہ گھوڑے پر سوار ہو کر سیدھی عینبر کے محل میں پہنچی۔ وہ پچھلے خفیہ دروازے سے اُس کی خواب گاہ میں داخل ہوئی۔ عینبر ابھی تک دربار سے واپس نہیں آیا تھا۔ ماتمہ کے لیے یہ بڑا سہری موقع تھا۔ اُس نے عینبر کی مسہری کی چادر اٹھائی اور اُس کے نیچے موتیوں کا مار چھپا دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ بڑی تیزی سے خواب گاہ سے باہر نکل آئی۔ خفیہ دروازے سے نکل کر وہ گھوڑے پر سوار ہوئی اور واپس ملکہ کے محل میں آ گئی۔ اُسے کسی نے آتے جاتے نہ دیکھا تھا۔ اُس کا سارا منصوبہ کامیاب ہو گیا تھا۔ اب صرف یہی ایک کسر باقی تھی کہ صبح اُٹھ کر ملکہ نے مار تلاش کرنا تھا اور ماتمہ نے اُس سے یہ کہنا تھا کہ تمام درباریوں کے گھروں کی تلاشی لی جائے کیوں کہ تمام درباری اس مار کو پسند کرتے تھے۔

وہ بڑے آرام سے سو گئی۔ وہ اپنے کام پر بہت خوش تھی۔ صبح صبح ہی وہ اُٹھ کر ملکہ کی خواب گاہ میں پہنچ گئی۔ ملکہ ابھی بھی سو کر اٹھی تھی اور غسل سے فارغ ہو کر لباس تبدیل کرنے والی

ہمتی۔ اہمہ نے ملکہ کا لباس تبدیل کر دیا۔ اُس کے بال بنائے اُس
کا بناؤ سنگار کیا اور پھر سُرخ اور صندُوق میں سے نکالنے کے
لیے اُمتھ آگے بڑھایا تو پہنچ مار کر بولی :
”ملکہ عالیہ مار چوری ہو گیا“

اب اُدھر کی بھی سُینے۔ اُدھی رات کو دربار سے عہز گھر واپس
آیا تو بے حد تھکا ہوا تھا۔ وہ غسل کرتے کے بعد اپنی مسہری کی
طرف آیا تو اچانک اُسے مسہری کی چادر کچھ میلی میلی سی محسوس
ہوئی۔ اُس نے حبشی غلام کو آواز دی۔
”زمرہ !“

حبشی غلام سامنے ہوا تو اُس نے کہا :
”مسہری کی چادر بدل دو“

غلام نے ادب سے سر جھکایا اور مسہری پر سے چادر اُلٹ
دی۔ چادر کا بٹنا تھا کہ نیچے سُرخ موتیوں کا مار تیش دان کی روشنی
میں چمکنے لگا۔ عہز یہ تازہ ہو کر رہ گیا۔
”یہ ار یہاں کیسے آگیا؟“

حبشی غلام بھی پریشان سا ہو گیا۔ عہز کو یوں محسوس ہوا جیسے
اُس کے غلام کوئی سازش کی جا رہی ہے۔ اُس نے فوراً سُرخ
موتیوں کا مار پٹنگ پہنے سے اُٹھا کر جیب میں رکھا۔ باہر نکل کر
گھوڑے پر سوار ہوا اور اُسے سرپٹ دوڑاتا بادشاہ مہینی بال

کے محل میں پہنچ گیا۔ بادشاہ دربار سے واپس چھٹ کر سونے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ غلام نے جھک کر عرض کی کہ وزیر دربار شرفِ ملاقات کے خواہش مند ہیں۔ بادشاہ نے کہا :

”لیکن ابھی ابھی تو وہ مجھ سے مل کر گئے ہیں۔“

”عالمِ پناہ، وہ کوئی ضروری بات گوش گزار کرنا چاہتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے، انہیں اندر بلاؤ۔“

عنبر نے بادشاہ کی شاہی خواب گاہ میں داخل ہو کر جھک کر سلام کیا اور موتیوں کا سُرخ ہار بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

”یہ — یہ تو ہماری ملکہ کا ہار ہے عنبر، یہ تمہارے پاس کیسے آگیا؟“

عنبر نے سارا واقعہ سُنا دیا۔ بادشاہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

عنبر نے کہا :

”حضور، مجھے تو اپنے غلات یہ کوئی سازش معلوم ہوتی ہے۔“

اسی لیے میں ہار لے کر سیدھا آپ کے حضور آگیا ہوں۔“

”اگر ایسی بات ہوئی تو میں سازشیوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“

یہ لوگ میرے انتقام کی آگ سے نہ بچ سکیں گے۔ تم جا کر آرام کرو۔ صبح دیکھا جائے گا۔“

اُس وقت دن کی روشنی پھیلنے ہی والی تھی۔ بادشاہ نے ہار

ہاتھ میں پکڑا اور سیدھا ملکہ کے کمرے میں آگیا۔ ملکہ اپنی کینز نامہ

کے ساتھ پریشان بیٹھی تھی۔ بادشاہ نے پوچھا :
 ”ملکہ! کیا آپ کی کوئی چیز گم ہو گئی ہے؟“
 ”آپ کو کیسے پتہ چلا؟“

”اس لیے کہ وہ ہمارے پاس محفوظ ہے۔“

بادشاہ نے جب سرخ موتیوں کا قیمتی مار نکال کر ملکہ کے سامنے رکھا تو ملکہ سے بڑھ کر حیرانی کینز ہائمہ کو ہوئی۔ وہ بُت کی بُت بن کر رہ گئی کہ عنبر کی مسہری کے نیچے سے یہ مار اتنی جلدی یہاں کیسے آگیا۔ بادشاہ نے صاف صاف بتا دیا کہ کسی نے شرارت کر کے ہماری خواب گاہ سے مار چُرایا اور وزیر دربار کے گھر چھپا دیا تھا۔ وزیر دربار کو اچانک مار کا علم ہو گیا اور وہ اُسی وقت مارے کر ہماری خدمت میں حاضر ہو گیا۔

ہائمہ کی سازش پر پانی پھر گیا تھا۔

سردار کو سخت مایوسی ہوئی۔ اب اُس نے عنبر کو قتل کروانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کام کے لیے اُس نے ایک حبشی غلام کی خدمات حاصل کیں۔ اُسے سونے چاندی اور زرہ جواہر کا لاوچ دے کر کہا کہ وہ راتوں رات وزیر دربار کو قتل کر دے۔ حبشی غلام عنبر کے محل کا پہرہ دار تھا۔ عنبر کے قتل کا وقت مقرر کر دیا گیا۔ ایک رات عنبر دربار سے لوٹ کر محل میں واپس آیا تو اُسے پیاس محسوس ہوئی۔ اُس نے غلام کو بلا کر انگوروں کا تازہ رس

نکلویا اور ایک گلاس پنی کر مسہری پر لیٹ گیا۔ وہ دیر تک پہلو بدلتا رہا۔ پھر اُسے نیند آگئی۔ اُدھر پہریار حبشی غلام اسی وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ اپنا چہرہ سیاہ لبادے میں پیٹ کر کمر کے ساتھ انتہائی تیز خنجر لگائے محل کی عقبی سیڑھیوں میں سے ہوتا ہوا چوبارے کی چھت پر آ گیا۔

رات کی خاموشی ہر طرف چھائی ہوئی تھی۔ حبشی نے چوبارے کی چھت پر سے عنبر کی چھت پر چھلانگ لگا دی۔ اُس کی دھمک عنبر نے بالکل محسوس نہ کی کیونکہ وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ حبشی بے پاؤں نیچے والان میں اتر آیا۔ اب وہ خواب گاہ میں داخل ہونے کا موقع تلاش کر رہا تھا جو جلد ہی اُسے مل گیا۔ اتفاق سے وہاں اُس وقت کوئی غلام پہرے پر موجود نہ تھا۔ حبشی نے پردہ ذرا سا ہٹا کر اندر جھانک کر دیکھا۔ وزیر دربار عنبر اپنی مسہری پر بے سُدھ ہو کر گہری نیند سو رہا تھا۔ حبشی پچھلے سے خواب گاہ میں داخل ہو گیا۔ وہ دیوار کے ساتھ ساتھ بتی کی طرح سرکتا ہوا عنبر کے سرمانے کی جانب آ گیا۔

وہ بڑی گہری نگاہوں سے سانس روکے عنبر کو غور سے دیکھنے لگا۔ جب اُسے اطمینان ہو گیا کہ عنبر نیند میں بالکل مدہوش ہے تو اُس نے کمر میں ہاتھ ڈال کر لمبا اور تیز دھار والا خنجر نکالا۔ اُسے نعنا میں بلند کیا اور ایک ہی جھٹکے سے عنبر کے سینے میں پیوست کر دیا۔

عنبر کی اچانک آنکھ کھل گئی۔ مگر قاتل پے درپے دو تین وار سینے پر کر کے بھاگ چکا تھا۔ عنبر خاموشی سے لیٹا رہا۔ اس لیے کہ خنجر اُس کی جان نہیں لے سکتا تھا۔ وہ تو ہمیشہ کے لیے لافانی ہو چکا تھا؛ چنانچہ وہی ہوا۔ خنجر لگنے سے عنبر کے سینے سے خون کی ایک بوند بھی نہ نکل۔ سینے پر خنجر سے زخم ہوا جو اپنے آپ مل گیا۔

عنبر پھر گہری نیند سو گیا۔ حبشی غلام سیدھا سردار کے ہاں پہنچا اور اُس نے ہاکر بتایا کہ اُس نے خنجر کے تین وار عنبر کے سینے پر کر کے اُسے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ سردار نے اُسے موتیوں کا ایک ہار اور سونے کے کچھ سکے انعام کے طور پر دیے اور خاموش رہنے کی ہدایت کر کے اُسے واپس بھیج دیا۔ حبشی غلام نے واپس اپنے گھر آکر کمرہ میں سے خنجر نکال کر اسے دھو کر صاف کرنا چاہا تو وہ یہ دیکھ کر تعجب میں آگیا کہ خنجر پر خون کا معمولی سا نشان بھی نہیں تھا۔ اُس نے سوچا شاید خون اُس کے کپڑوں کے ساتھ رگڑ کر مٹ گیا ہے۔ اُس نے اپنے کپڑے دیکھے۔ وہاں بھی خون کا کوئی دھبہ تک نہ تھا۔ وہ کچھ نہ سمجھ سکا کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ بہر حال اُس نے پانی سے خنجر کو صاف کیا اور سو گیا۔

صبح دن نکلا تو سردار سب سے پہلے دربار میں آگیا۔ وہ

دیکھنا چاہتا تھا کہ جب دربار میں عنبر کے قتل کی خبر پہنچتی ہے تو بادشاہ پر اُس کا کیا اثر ہوتا ہے۔ وہ دربار میں آکر ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ درباری محل میں داخل ہونا شروع ہو گئے تھے۔ حبشی قاتل باہر دروازے پر پہرہ دے رہا تھا۔ اچانک اُس نے دیکھا کہ وزیر دربار عنبر شاہی رتھ میں سے اتر کر محل کی سیڑھیوں کی طرف آ رہا ہے۔ حبشی نے کل رات اُسے خود قتل کیا تھا۔ اُس کے سینے پر خنجر کے تین بھر پور ہاتھ مارے تھے۔ اگر وہ مرا نہیں تھا تو کم از کم زخمی ہی ہوا ہوتا۔ مگر وہ روز کی طرح چاق و چوبند چلا آ رہا تھا۔ جب وہ حبشی کے قریب سے گزرا تو حبشی کو غش آ گیا۔

سردار بڑا خوش تھا کہ اُس کے راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ عنبر دود ہو گئی ہے اور اب وہ بہت جلد مہینی بال کا وزیر دربار بن لیا جائے گا۔ لیکن ایسا ایکی عنبر کو شاہی لباس میں اپنے سامنے دیکھ کر اُس پر سکتے کا سا عالم طاری ہو گیا۔ اُسے حبشی نے یقین دلایا تھا کہ عنبر مرنے کا ہے اور اُس نے خود اُسے مین دار کر کے ہلاک کیا ہے۔ وہ یہی کچھ سوچ رہا تھا کہ عنبر نے آگے بڑھ کر سردار سے ہاتھ ملایا۔

”صبح بخیر سردار“

سردار نے ظاہری طور پر خندہ پیشانی سے اُس کے سلام کا

جواب دیا اور وہیں سے پک کر باہر آ گیا۔ اسے پتہ چلا کہ حبشی
 پہریدار ابھی ابھی کھڑے کھڑے دھم سے زمین پر گر کر بے ہوش
 ہو گیا تھا اور اب اپنے گھر میں ہے ۔

پاکستانی یوانٹ
 ڈاٹ کام

اِسے آگ میں ڈال دو

دربار میں عنبر سے سردار نے زیادہ بات چیت نہ کی ۔

چونکہ اس کے دل میں چور تھا ۔ اِس لیے وہ عنبر سے آنکھ ملاتے ہوئے گھبراتا تھا ۔ عنبر کو بھی خوب معلوم ہو گیا تھا کہ اُس کے قتل کی سازش میں سردار کا ہاتھ ہے ۔ کیوں کہ وہ اُس کے اونچے رُتبے سے حسد کرتا ہے اور اُسے قتل کر کے خود وزیر دربار بننے کے خواب دیکھ رہا ہے ۔ سردار دربار سے نکل کر خفیہ طور پر سیدھا حبشی غلام کے گھر گیا ۔ وہ اب پوری طرح ہوش میں تھا اور زمین پر بیٹھا ریت پر لکیریں ڈال رہا تھا ۔ اُس نے حبشی سے پوچھا :

” تم نے عنبر کو قتل نہیں کیا تھا زمرود ؟ “

حبشی غلام نے جھک کر ادب سے کہا :

” سردار ! میں رب زیوس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے

خود اِس ہاتھ سے عنبر کے سینے میں خنجر کے تین بھر پور وار کیے تھے ۔ اگر میرے وار کسی ہاتھی کے سینے پر پڑتے تو ایک بار وہ بھی لڑکھڑا کر گر پڑتا ۔ مگر عنبر پر کوئی اثر ہی نہیں ہوا ۔ “

”آخر ایسا کیوں ہوا؟“

”یہی تو میں نہیں سمجھ سکا۔ آخر وہ گوشت پوست کا آدمی ہے۔“

سب سے زیادہ حیرانی کی بات یہ ہے کہ اُس کے جسم سے نہ کوئی خون نکلا اور نہ کوئی زخم ہی ہوا۔“

”تمہارا کیا خیال ہے اس بارے میں؟“

”محضوً، میرا تو خیال ہے کہ یہ شخص ضرور کوئی جتن بھوت ہے۔“

”میرا بھی یہی خیال ہے۔“

اتنا کہ کمر سردار واپس اپنی حویلی میں آ گیا۔ وہ بات کی تہہ تک پہنچ گیا تھا۔ عنبر نے ٹھیک کہا تھا کہ وہ ایک ہزار برس سے زندہ چلا آ رہا ہے۔ اگر وہ ایک ہزار برس سے زندہ نہ ہوتا تو آج مر چکا ہوتا۔ مگر وہ ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا گیا ہے۔ موت اس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دور بھاگ گئی ہے۔ وہ کبھی نہیں مر سکتا۔ اُسے کوئی نہیں مار سکتا۔ میں نے غلطی کی جو اُس پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ کاش اس حقیقت پر مجھے پہلے اعتبار آ گیا ہوتا۔ کیا عنبر کو شک ہو گیا ہو کہ قاتلانہ حملے کے پیچھے میرا ہاتھ ہے؟ سردار نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ عنبر سے اُس کی ہمیشہ کی زندگی کا راز معلوم کر کے رہے گا تاکہ وہ بھی ہمیشگی کی زندگی پالے اور کبھی نہ مر سکے۔

رات کو عنبر سے ملنے کے بعد سردار نے پوچھا :

”عنبز! کیا یہ سچ ہے کہ تم واقعی ہمیشہ کے لیے یغرنانی بنا دیے گئے ہو؟“

عنبز نے گہری نظر سے سردار کو دیکھا اور کہا:

”کیا تمہیں اب بھی شک ہے سردار؟“

سردار نے شرمندہ سا ہو کر کہا:

”نہیں عنبز! مجھے اب کوئی شک نہیں رہا۔ میں یقین کرتا ہوں

کہ تم واقعی ایک ہزار برس سے زندہ چلے آ رہے ہو لیکن اگر

تم مجھے بھی اپنی ہمیشہ کی زندگی کے راز میں شریک کر لو تو

میں تمہارا یہ احسان قیامت تک نہیں بھولوں گا۔“

”یہ میرے اختیار میں نہیں ہے سردار۔ میں اپنی مرضی سے

ہمیشہ کے لیے یغرنانی نہیں ہوا۔ مجھے ایک دُعا یا بدُعا نے ایسا

کر دیا ہے۔“

”کیا تم وہ دُعا یا بدُعا مجھے نہیں دے سکتے؟“

”میں اگر کوشش بھی کروں تو ایسا نہیں کر سکتا۔“

”تم مجھ سے چھپا رہے ہو عنبز۔ تمہیں وہ راز ضرور معلوم ہے

جس سے انسان ہمیشہ کے لیے زندہ ہو جاتا ہے اور کبھی نہیں مرنے

”میں ربِ عظیم کی قسم کھا کر کہتا ہوں سردار کہ مجھے وہ راز

ہرگز ہرگز نہیں معلوم۔“

”اچھا تو پھر میں تم پر اعتبار کرتا ہوں۔“

سرور اُس وقت تو خاموش ہو گیا۔ مگر اُس نے یہ بات دل پر نقش کر لی کہ عنبر نے اُسے جان بوجھ کر ہمیشہ زندہ رہنے کا راز نہیں بتایا۔ وہ اب ایک دوسری ترکیب سے عنبر کو راستے سے ہٹانے کے بارے میں سوچنے لگا۔ اُس نے سوچا کیوں نہ وہ عنبر کے راز کے بارے میں ہمینی بال سے بات کرے۔ ظاہر ہے بادشاہ ضرور چاہے گا کہ ہمیشہ زندہ رہ کر حکومت کرتا رہے۔ وہ عنبر کو بلا کر اُس سے کبھی نہ مرنے کا راز معلوم کرنے کی کوشش کرے گا۔ عنبر نے اگر انکار کیا تو وہ ضرور اُسے کسی نہ کسی طریقے سے مروادے گا۔

اس منصوبے پر عمل کرنے کے لیے وہ ایک روز ہمینی بال کے جہد خاص میں پہنچ گیا۔ اس وقت ہمینی بال نوبہ پر چڑھائی کرنے کے بارے میں غور کر رہا تھا۔ سرور نے ادھر ادھر کی باتوں کے بعد ہمینی بال سے کہا :

”عالی جاہ ! اگر آپ اتنے ملک فتح کرنے کے بعد بھی اُسے ہمیشہ کے لیے اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تو اس کا کیا فائدہ ؟“

”کیا مطلب ہے تمہارا ؟“ ہمینی بال نے مہویں چڑھاتے ہوئے کہا۔

”میرا مطلب یہ ہے حضور ! کہ انسان چاہے ساری دنیا کو فتح کر لے پھر بھی اُسے ایک نہ ایک روز مر جانا ہے اور اس دنیا

کو خالی ہاتھ چھوڑ کر چلے جانا ہے ۔
 ” یہ تو بہر انسان کی تقدیر میں لکھا ہے ۔“
 ” لیکن خالی جاہ ، اگر آپ چاہیں تو ہمیشہ کے لیے رہ سکتے
 ہیں ۔ تقدیر کے لکھے کو مٹا سکتے ہیں ۔“
 ” وہ کیسے ؟“

” وہ ایسے کہ اس کا ایک راز ہے ۔ اگر آپ اُس راز کو
 جان لیں تو آپ پر بھی موت حرام ہو سکتی ہے ۔ پھر آپ قیامت
 تک اس حکم پر حکومت کر سکتے ہیں ۔“
 ” وہ راز کیا ہے سردار ؟“

” وہ راز ہمارے دربار کے صرف ایک درباری کو معلوم ہے ۔
 مگر وہ اس راز کو کسی قیمت پر بتانے کو تیار نہیں ۔“
 ” مینی بال نے سردار کے قریب آکر پوچھا :
 ” وہ درباری کون ہے جو ہمارے دربار میں بیٹھا ہمیشہ زندہ رہے ۔“
 ” اس کا راز دل میں چھپائے ہوئے ہے ۔“

” اُس کا نام عنبر وزیر دربار ہے خالی جاہ ۔“
 ” کیا مطلب ؟“

” مطلب یہ سرکار خالی ، کہ عنبر وزیر دربار ہمیشہ کے لیے عنبر
 فانی ہو گیا ہے ۔ اُس کو قیامت تک زندہ رہنے کا راز معلوم ہو
 گیا ہے ۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ایک ہزار برس سے زندہ

ہے۔ وہ اصل میں فرعون مصر کی اولاد میں سے ہے۔

”یہ تم کیا فضول باتیں کر رہے ہو؟“

”یہ فضول باتیں نہیں ہیں سرکار، میں سچ کہہ رہا ہوں۔ مگر ایک ہزار برس سے تاریخ کے ساتھ ساتھ سفر کر رہا ہے۔ وہ ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا گیا ہے۔ اسے موت نہیں چھو سکتی۔ اگر آپ کو میری بات پر یقین نہیں آتا تو اسے قتل کروا کر دیکھ لیں۔ وہ پھر سے زندہ ہو جائے گا۔“

ہینی ہال نے اس قسم کی باتیں پہلے کبھی نہیں سنی تھیں۔ وہ تعجب سے سردار کو دیکھنے لگا۔ پھر بولا:

”اگر یہ سچ نہ ہوا تو تمہاری سزا کیا ہوگی؟“

”مجھے بے شک چڑے کے پورے میں بند کر کے دریائے نیل میں پھینکوا دیں۔“

”کیا تمہیں منظور ہے؟“

”منظور ہے عالی جاہ۔“

”ٹھیک ہے، ہم ابھی اس کا فیصلہ کیے دیتے ہیں۔“

بادشاہ نے فوراً وزیر دربار عنبر کو طلب کر لیا۔ عنبر نے محل میں لوگوں کا ہجوم اور سردار کے مکار چہرے کو دیکھا تو ایک بار تو وہ بے ہارا گھبرا گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ اس دفعہ سردار نے ضرور کوئی نئی اور خطرناک چال چلی ہوگی۔ ہینی ہال نے وزیر دربار کو اپنے تخت

کے سامنے کھڑے ہونے کا اشارہ کیا۔ عنبر تخت کے سامنے درباریوں کے درمیان میں آکر کھڑا ہو گیا۔ ہینی بال نے ایک ہاتھ فضا میں بلند کر کے کہا :

”اے وزیر دربار! کیا یہ سچ ہے کہ تم ایک ہزار برس سے زندہ چلے آ رہے ہو؟ دوسرے یہ کہ تم فرعون مصر کی اولاد میں سے ہو اور تم پر موت حرام ہے، تم مرنے نہیں سکتے؟“
عنبر کے لیے اب جھوٹ بولنے کا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اُس کے لیے یہی بہتر تھا کہ وہ سچ سچ بادشاہ کے سامنے بیان کر دے۔ اُس نے کہا :

”آپ نے میرے بارے میں بالکل درست سنا ہے۔ آپ کا یہ غلام ایک ہزار برس سے زندہ ہے اور قیامت تک زندہ رہے گا اور میں فرعون مصر کی اولاد میں سے ہوں۔“
ہینی بال ایک پل کے لیے پُپ رہا۔ سارے دربار میں بھی سناٹا طاری ہو گیا۔ بادشاہ نے کہا :

”اِس سلسلے میں کیا تم کوئی ثبوت پیش کر سکتے ہو؟“
عنبر نے کہا :

”جہاں پناہ، میرے پاس اِس کے ہوا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ ایک روز آپ سب لوگ موت کا فائقہ چمک کر ہمیشہ کی نیند سو جائیں گے اور میں زندہ رہوں گا۔“

بینی بال نے کہا :

”اِس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہیں کبھی موت نہیں آ سکتی۔“
 ”کبھی نہیں عالی جاہ۔“

”اور اگر ہم تمہیں مار کر دکھا دیں تو؟“

بادشاہ کی زبان سے یہ بات نکلنے کے بعد سارے دربار پر
 سناٹا چھا گیا۔ سردار دل ہی دل میں بہت خوش ہو رہا تھا۔ وہ یہی
 چاہتا تھا۔ غبر نے مسکرا کر کہا :

”اگر مجھے مرنّا ہوتا حضور! اگر موت میری قسمت میں لکھی
 ہوتی تو میں ایک ہزار سال سے زندہ نہ پلا آ رہا ہوتا۔“
 بینی بال نے غصّے میں آ کر کہا :

”لیکن اگر ہم تمہیں مار دیں تو پھر تم کیا کہو گے؟“
 ”حضور! پھر تو میں کچھ کہنے کے قابل رہوں گا ہی نہیں۔ لیکن
 شرط یہی ہے کہ آپ مجھے مروا سکے تو۔ مگر میرا خیال ہے کہ
 آپ ایسا نہیں کر سکیں گے۔“

بینی بال تخت پر سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ یہ اُس کی توہین تھی۔ اُس
 نے غضب ناک ہو کر کہا :

”وزیر دربار! تم نے یہ بات کہہ کر سارے دربار میں ہماری
 طاقت کا مذاق اڑانے کی کوشش کی ہے۔“
 غبر نے جھک کر کہا :

”ہرگز نہیں حضور انور، ہرگز نہیں، میں نے صرف یہ عرض کی ہے کہ موت مجھ پر قسمت کی تقدیر میں نہیں ہے۔“

”ہم تمہاری تقدیر بدل کر رکھ دیں گے۔ ہم تمہیں موت کی آغوش میں سلا کر تمہارے دلوے کو غلط ثابت کر دیں گے۔“

اس کے ساتھ ہی اُس نے جلاؤ کو دربار میں طلب کر لیا سردار کا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔ اُسے پورا یقین تھا کہ اب عسکر تلوار کے دار سے نہیں بچ سکتے گا۔ سارے درباری دم بخود ہو گئے۔ انہیں شہر کی عقل پر افسوس ہونے لگا کہ خواہ مخواہ جنت کر کے اپنے آپ کو ایک کر دار بنا ہے۔ بادشاہ نے آخری بار کہا:

”کیا اب بھی تم کہتے ہو کہ تم مرنے نہیں سکتے؟“

عسکر نے بڑے ادب سے جھک کر کہا:

”یہ آپ سے ایک بہت بڑی حقیقت بیان کر رہا ہوں حضور انور، جب تک مجھ پر مقدس آواز کی دُعا کا اثر ہے میں کبھی نہیں مر سکتا۔“

”ہم تمہاری مقدس آواز کو تسلیم نہیں کرتے؟“

”تو پھر میں سامعز ہوں عالی جاہ۔“

ہینی بال نے ہمداد کو اشارہ کیا۔ جلاؤ نے آگے بڑھ کر تلوار کا ایک مہر پور ہاتھ پوری طاقت سے عسکر کی گردن پر مارا۔ درباریوں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ انہیں یقین تھا کہ جب وہ آنکھیں

کھولیں گے تو وزیر دربار کا سردھڑ سے بُدا ہو کر فرش پر گرا ہوگا اور دھڑ الگ ترپ رہا ہوگا۔ لیکن جب اُسہوں نے آنکھیں کھولیں تو عینر ویسے ہی کھڑا تھا اور اُس کا سر گردن پر ہی ٹکا ہوا تھا سردار خاموش تھا۔ ہلینی بال کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اُس نے ایک بار پھر جلا د کو اشارہ کیا۔

جلا د نے ایک بار پھر تلوار کا وار عینر کی گردن پر کیا۔ تلوار پورے زور کے ساتھ عینر کی گردن پر لگی اور دوسری طرف سے نکل گئی۔ لیکن ہوا یہ کہ گردن جہاں جہاں سے کٹتی۔ وہاں وہاں سے دوبارہ جڑ جاتی۔ نہ زخم ہوتا، نہ خون نکلتا۔ بادشاہ حیران رہ گیا۔ اُس نے کہا :

”اُس کے اوپر سے ہاتھی گزرا جائے“

سارے دربار پر سناٹا چھا گیا۔

اُسی وقت ہاتھی لایا گیا۔ عینر کو فرش پر بٹا کر اُس کے اوپر لکڑی کا ایک تختہ رکھ دیا گیا۔ مہاوت نے بادشاہ کا اشارہ پا کر ہاتھی کو آگے بڑھایا۔ ہزاروں من وزن کا ہاتھی اُس تختے کے اوپر پڑھ کر کھڑا ہو گیا۔ جس کے نیچے وزیر دربار عینر لیٹا ہوا تھا۔ جتنی دیر ہاتھی عینر کے اوپر کھڑا رہا، عینر اُس کے نیچے بڑے اطمینان سے لیٹا بادشاہ سے باتیں کرتا رہا اور بار بار مسکراتا رہا :

”غل، ہما، آپ کو کب یقین آئے گا کہ میں مرنہیں سکتا؟“
 بادشاہ نے تنگ آ کر حکم دیا :
 ”وزیر دربار کو کھولتے ہوئے تیل کے کڑاۓ میں ڈال دیا جائے۔“

اس حکم پر سارے درباری خاموش ہو گئے۔ انہیں یقین تھا کہ کھولتے ہوئے تیل میں گرائے جانے کے بعد عہبر کی موت یقینی ہوگی۔ اُسی وقت دربار میں حبشی غلام ایک کڑاؤ کو لے آئے۔ اُس میں زیتون کا تیل کھول رہا تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ عہبر کو اس کڑاؤ میں ڈال دیا جائے۔ دو حبشیوں نے عہبر کو پکڑنے کی کوشش کی تو اُس نے کہا :

”اس کی کیا ضرورت ہے عالم پناہ، میں خود جلتے ہوئے تیل میں اُتر جاتا ہوں۔“

اتنا کہہ کر عہبر نے جوتے اتار کر الگ رکھے اور بڑے سکون سے کھولتے ہوئے تیل کے کڑاؤ میں اُتر گیا۔ جس طرح نیچے پانی سے بھرے ہوئے تالاب میں اُتر جاتے ہیں۔ عہبر کے کھولتے ہوئے کڑاؤ میں اُترنے سے نہ تو جلنے کی آواز آئی اور نہ ہی عہبر کا جسم جل کر سیاہ ہوا۔ کھولتا ہوا تیل یوں اُس کے جسم سے چھوڑا تھا جیسے وہ پٹھے کا ٹھنڈا پانی ہو۔ عہبر کھولتے ہوئے گرم گرم تیل کو دونوں چلوؤں میں بھر بھر کر اپنے سر پر ڈالنے لگا۔

جیسے وہ چٹھے کے ٹھنڈے پانی میں نہا رہا ہو۔

سارا دربار اس کرامت پر دنگ رہ گیا۔ بادشاہ ہینی ہال تخت سے نیچے اتر کر معبر کے پاس آ گیا۔ اُس نے ایک چڑیا کو پتھرے میں سے نکال کر کڑاؤ کے اُبلتے ہوئے تیل میں ڈال دیا۔ شوں کی آواز کے ساتھ ہی چڑیا ایک سیکنڈ کے اندر اندر بجھ کر پھوڑا بن گئی۔ مگر وہی اُبلتا ہوا گرم تیل معبر کو کچھ نہیں کہہ رہا تھا۔

بادشاہ نے ارمان لی۔ اُس نے اشارہ کر کے معبر کو کھوتے ہوئے تیل سے باہر آ جانے کو کہا۔ معبر چلتا بھرتیل ہاتھ میں لے کر باہر آ گیا اور ایک ہی جھکے میں اُس نے یہ تیل سردار کے ہاتھ پر پھینک دیا۔ سردار کی چیخ نکل گئی اور اُس کے ہاتھ پر بڑے بڑے آبلے پڑ گئے۔ معبر نے کہا

”میرا خیال ہے سردار اب تمہیں یقین آ گیا ہوگا کہ میں مرنے نہیں سکتا اور اب تم مجھے قتل کروانے کی کوشش نہیں کرو گے۔“

ہینی ہال نے پوچھا کہ یہ کیا شرارت ہے؟ معبر نے الف سے لے کر یہ تک بادشاہ کو ساری کہانی سنا دی کہ کس طرح سردار نے ہار چوری کر دیا کہ میری مسہری کے نیچے رکھا تھا کہ مجھ پر چوری کا الزام لگا کر آپ کی نگاہوں میں مجھے ذلیل کرے اور پھر اس میں ناکام ہو کر کس طرح اُس نے اپنے مبشر کی مدد سے

مجھ پر خنجر سے حملہ کر دیا۔ مگر میں زندہ رہا۔ پہلی بال سردار کے
 کمرے میں گر پڑی تھی۔ اُس نے اُسی وقت سردار کو گرفتار
 کر کے تہ خانے میں ڈال دینے کا حکم صادر کر دیا اور غبر سے کہا:
 ”محترم درویش نوجوان، کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم ساری
 زندگی میرے ملک میں رہو اور میری تاریخ مرتب کرو؟“
 ”جو حکم عالی جاہ بندہ ہر خدمت کے لیے تیار ہے۔“

پاکستانی وزارت
 اطلاعات و عام
 پبلک ریلیشنز

انسانی قسطنی

بادشاہ ہینری بال کے دربار میں عبیز کو نمایاں مقام حاصل ہو گیا۔ وہ وزیر دربار تو تھا ہی، لیکن اب بادشاہ نے اُس کی خاص قابلیت اور خدا داد لیاقت سے متاثر ہو کر اُسے یہ کام سونپ دیا کہ وہ اُس کے عہد حکومت کی تاریخ لکھا کرے۔ عبیز ہر روز رات کو دن کے گزرے ہوئے واقعات قلمبند کر کے دوسرے روز بادشاہ کو دکھاتا۔ عام طور پر بادشاہ اُس کے لکھے ہوئے واقعات کو پسند کر کے اُسے شاہی تاریخ میں شامل کر لینے کا حکم صادر کر دیتا۔ ایلام شہر میں لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ یہ بُت مختلف جانوروں کے تھے۔ کوئی قبیہ سمینس کی پوجا کرتا تھا۔ کوئی گینڈے کی پوجا کرتا تھا۔ کوئی سانپ کی اور کوئی مگر چنچ کی پوجا کرتا تھا۔ عبیز کسی بُت کی پرستش نہیں کرتا تھا۔ وہ ایک خدا پر ایمان رکھتا تھا جو آسمانوں اور زمینوں کا مالک تھا اور جس کا کوئی بُت نہیں تھا۔ وہ رات کو سونے سے پہلے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا مانگا کرتا۔

شہر کے درمیان میں بعل دیوتا کا بہت بڑا مندر تھا۔ یہ مندر

چاروں طرف کے سنگ مرمر کے بے شمار ستونوں پر کھڑا تھا۔ بیچ میں ایک کشادہ ہال کمرہ تھا۔ جس کے بیچ میں سنگ مرمر کا چبوترہ تھا جہاں جانوروں کی قربانی دی جاتی تھی۔ مندر کا بڑا پجاری اس قربانی کے وقت خود اپنے ہاتھوں سے جانور کی گردن پر کلہارا چلاتا تھا۔ بعل دیوتا کے بڑے اونچے پسے بٹ کے آگے ایک کشادہ تنور میں ہر وقت آگ جلتی رہتی تھی۔ جانور ذبح کر کے اس آگ میں ڈال دیے جاتے تھے۔ گویا بعل دیوتا نے قربانی قبول کر لی۔

ہلینی بال کی حکومت اپنے پورے عروج پر تھی۔ سارے افریقہ پر اس کا قبضہ تھا اور اب وہ ملک نوبیہ پر چڑھائی کی تیاریاں کر رہا تھا۔ ملک نوبیہ مصر کے شمال مشرق میں تھا اور وہاں ایک ملکہ حکومت کرتی تھی۔ اس ملکہ کو نارتان اور بابل کے بادشاہوں کی حمایت حاصل تھی۔ ہلینی بال پھر بھی اس کے ملک کو فتح کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ایک روز عنبر کو بلا کر کہا :

”وزیر دربار! تم نے ہمارے لیے ہاسوسی کر کے مصر کی فتح آسان کر دی تھی۔ کیا اب تم ہمارے لیے ملک نوبیہ ہا کر وال کی ہاسوسی نہیں کر سکتے؟“

عنبر کے لیے یہ بڑا مشکل مقام تھا۔ اس نے سچائی سے کام لیتے ہوئے کہا :

”اے شہنشاہ، مصر کے لیے میں نے اس لیے جاسوسی کی تھی کہ فرعون کے خاندان نے میرے ماں باپ کو ہلاک کیا تھا۔ میں اُس خاندان سے انتقام لینا چاہتا تھا، لیکن نوبیہ سے مجھے کوئی بیر نہیں۔ میں وہاں جاسوسی کس لیے کروں؟“

”کیا تم ہمارے لیے بھی یہ کام نہیں کر سکتے؟“

عنبر نے انکار کرنا فی الحال مناسب نہ سمجھا۔ کہنے لگا:

”وقت آنے پر بیسا آپ کہیں گے ویسا ہی ہوگا۔“

”تو پھر تم تیار ہو؟“

”یہی سمجھ لیں۔“

ہینی بال بڑا خوش ہوا اور اُس نے حکم دے دیا کہ عنبر ملک نوبیہ جانے کی تیاری شروع کر دے۔ عنبر یہ کام کرنا نہیں چاہتا تھا مگر محض اس لیے تیار ہو گیا کہ نوبیہ جا کر وہ واپس نہیں آئے گا۔ وہ ہینی بال کے ملک کو چھوڑ دے گا اور پھر کبھی پلٹ کر نہ آئے گا۔

امنہ دنوں کا ذکر ہے کہ موسم میں بارش نہ ہوئی اور کھیتیاں سوکھ گئیں۔ شاہی گوداموں میں جو غلہ تھا وہ لوگوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ وہ بھی ختم ہو گیا۔ مگر آسمان سے پانی کا ایک قطرہ نہ برسا۔ ملک میں قحط پڑ گیا۔ لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ ہر طرف افلاقی پھیل گئی۔ بڑے بہاری نے ہزاروں جانور بعل دیوتا کے حضور

قربان کر دیے۔ مگر بارش نہ ہوئی۔ آخر بڑے پُجاری نے اعلان کیا کہ بعل دیوتا کسی نوجوان لڑکی کی قربانی مانگتا ہے۔ نوجوان لڑکی کی قربانی کے بعد قحط دور ہو جائے گا اور آسمان سے بارش برسے گی۔ یہی بال نے قربانی کا حکم دے دیا۔ سارے ملک میں پُجاریوں نے گھوم پھر کر اُس نوجوان لڑکی کی تلاش شروع کر دی جو اُن کے خیال میں قربانی کے لیے موزوں تھی۔

آخر اُنہوں نے ایک غریب کسان کی لڑکی کو چُن لیا۔ جب اُنہوں نے غریب کسان کو بتایا کہ اُنہوں نے اُس کی معصوم بچی کو بعل دیوتا کے سامنے قربان کر دینے کا فیصلہ کیا ہے تو وہ خوف سے متحرقہ تر کانپنے لگا۔ اُسے اپنی بچی سے بڑی محبت تھی۔ لڑکی کا بھی رنگ زرد ہو گیا۔ لڑکی کے باپ نے پُجاریوں کے قدموں میں گر کر کہا :

”رب شمس کے لیے میری بچی اور میرے بڑھاپے پر رحم کریں دیوتا کے آگے مجھے قربان کر دیں۔ مگر میری بچی کو کچھ نہ کہیں :“

بڑے پُجاری نے کسان کے سر کو مٹو کر مار کر کہا :

”دیوتا صرت تمہاری بچی کی قربانی مانگتا ہے۔ تم نے اپنی بچی کی جان بخشی کی بھیک مانگ کر گناہ کیا ہے۔ اس گناہ کے راز کو دھونے کے لیے ہیں ایک ہزار چاندی کے سکے دو :“

”مگر میں تو ایک غریب کسان ہوں میرے پاس چاندی کے

سکتے کہاں سے آگئے؟

”تو پھر اپنے سارے برتن اور لڑکی ابھی ہمارے حوالے کر دو۔“
کسان رونے لگا۔ پٹجاریوں نے اُس کے گھر کا سامان لوٹ
لیا اور زبردستی لڑکی کو پکڑ کر لے جانے لگے۔ کسان نے آگے
بڑھ کر اپنی بچی کو بچانے کی کوشش کی تو پٹجاریوں نے اُسے
مار مار کر لہو لہان کر دیا۔ کسان بے ہوش ہو گیا اور پٹجاری روتی
چلتی لڑکی کو زبردستی رتھ پر ڈال کر مندر میں لے گئے۔

عنبر کو معلوم ہوا کہ پٹجاری ایک معصوم بچی کو بعل دیوتا کے
آگے قربان کر رہے ہیں تو اُسے بڑا صدمہ ہوا اور اس نے
لڑکی کی جان بچانے کا فیصلہ کر لیا۔ مگر سوال یہ تھا کہ وہ اُسے
کس طرح بچائے۔ یہ اُن کا مذہبی معاملہ تھا اور مذہبی معاملے
میں نہ صرف بادشاہ بلکہ ایلام شہر کے لوگ بھی پٹجاریوں کے
ساتھ تھے۔ کسی کو اعتراض نہیں تھا۔ پھر بھی عنبر نے فیصلہ کر لیا
کہ وہ کسان کی معصوم بچی کو قتل نہیں ہونے دے گا۔

پٹجاریوں نے اعلان کر دیا کہ پورے پانچ رات کو کسان
کی بیٹی کو بعل دیوتا کے سامنے ذبح کر کے آگ میں ڈال دیا جائے
گا۔ اُنہیں یقین تھا کہ اس قربانی کے بعد بارش ہوگی اور دیوتا
خوش ہو کر ملک سے قحط دور کر دے گا۔ عنبر نے بادشاہ سے
مل کر بات کرنے کا ارادہ کر لیا۔ بادشاہ نے ملک میں قحط کی

وجہ سے فوجیہ پر پڑھائی کا خیال ملتوی کر دیا تھا۔ اب اُس کی ساری توجہ اس طرف تھی کہ کسی طرح ملک سے قحط دور ہو۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے بلل دیوتا کے آگے انسانی قربانی کی اجازت دے دی تھی۔

شام کو عنبر بادشاہ سے ملنے محل میں گیا۔

ہینی بال اپنے ایک دوسرے وزیر کے ساتھ ملک میں غذائی صورت حال پر بات چیت کر رہا تھا۔ جب وہ وزیر چلا گیا تو عنبر نے کہا :

”شہنشاہ عالی ! میں ایک خاص مقصد لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔“

”وہ مقصد بیان کرو عنبر ! ہم سے جو کچھ بھی ہو سکا، ہم تمہارے لیے ضرور کریں گے۔“
عنبر نے کہا :

”اے شہنشاہ ! کیا آپ ایسا نہیں کر سکتے کہ پورے چاند کی رات کو بلل دیوتا کے حضور جو ایک معصوم بچی کی قربانی دی جا رہی ہے اُسے روک دیا جائے ؟“

ہینی بال نے تعجب سے عنبر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا :

”عنبر ! یہ تم کہہ رہے ہو ؟“

”ہاں میرے عظیم شہنشاہ ! یہ میری آرزو ہے کہ آپ کسان

کی معصوم بچی کی قربانی کو روکنے کا حکم دے دیں؟
 ”کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ملک میں قحط ہی رہے۔ لوگ بھوکوں
 مرتے رہیں؟“

”ہرگز سنیں حضور! میں ایسا ہرگز سنیں چاہتا ہوں۔“
 ”تو پھر جب تک انسان کی قربانی سنیں دی جائے گی۔ دیوتا
 خوش سنیں ہوگا اور وہ بارش سنیں برسائے گا۔ ملک سے قحط
 دور سنیں کرے گا۔“

”ادشاہ سلامت! میرا خیال ہے کہ اگر کسان کی بچی کی جگہ کسی
 پُجاری کی قربانی دی جائے تو دیوتا زیادہ خوش ہوگا؟“
 ”ہیئی بال نے غصے میں کہا:

”وزیر دربار! تم اپنی حد سے آگے بڑھ رہے ہو۔ ایسی بات
 پھر زبان سے مت نکالنا۔ یہ ہمارے عوام کے مذہب کا معاملہ ہے
 پجاری دیوتا کے پسندیدہ لوگ ہوتے ہیں۔ عوام اور دیوتا بھی یہ گوارا نہ
 کریں گے کہ کسی پُجاری کو آگ میں ڈالا جائے۔ کیا تم یہ چاہتے
 ہو کہ لوگ ہمارے غلات اُسٹھ کھڑے ہوں؟“

”ہرگز سنیں ملک معظم! میں تو چاہتا ہوں کہ آپ کا اقبال دن
 دوئی رات چوگنی ترقی کرے اور آپ کی حکومت کا جھنڈا ساری
 دنیا پر لہرائے؟“

”تو پھر آئندہ سے بل دیوتا کی قربانی کے بارے میں ہم

سے کوئی بات نہ کرنا۔“

”بہت بہتر حضور انور۔“

عہز نے جھک کر بادشاہ کو سلام کیا اور واپس آگیا۔

کہنے کو تو اُس نے بادشاہ سے کہہ دیا تھا کہ وہ اس محلے میں دخل نہیں دے گا۔ لیکن وہ ابھی تک اپنے اس فیصلے پر ڈٹا ہوا تھا کہ کسان کی لڑکی کو پتھر کے ایک بے جان بُت کے آگے ذبح ہونے سے بچا کر رہے گا۔ جوں جوں قربانی کا دن قریب آ رہا تھا۔ اُس کا داغ بڑی تیزی سے سوچ رہا تھا کہ لڑکی کو خالم پُجاری کے چنگل سے کیونکر چھڑایا جائے؟

لڑکی کو پُجاریوں نے مندر کے نیچے ایک پُر اسرار تہ خانے میں چھپا رکھا تھا۔ اس تہ خانے کو صرف ایک ہی راستہ جاتا تھا جس کا دروازہ بڑے پُجاری کے کمرے میں تھا۔ عہز نے ایک روز تہ خانے کا جائزہ لینے کا ارادہ کر کے بادشاہ سے خاص حکم نامہ حاصل کیا۔ اُس نے بادشاہ سے کہا کہ وہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ لڑکی بیمار تو نہیں؟ کیونکہ اگر بیمار لڑکی کی قربانی دی گئی تو دیوتا اُسے قبول نہیں کریں گے۔

حکم نامہ لے کر عہز مندر کی طرف چل پڑا۔

مندر میں جا کر اُس نے بڑے پُجاری سے ملاقات کی اور کہا:

”میں قربان کی جانے والی لڑکی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔“

پجاری نے حیرانی سے پوچھا :

”وہ کس لیے؟“

”اس لیے کہ کہیں لڑکی بیمار تو نہیں؟“

”لڑکی تندرست ہے۔ ہم نے اپنی پوری تسلی کر لی ہے۔“

”مگر میرے پاس بادشاہ کا حکم نامہ ہے۔ تم مجھے نہیں

روک سکتے۔ اس لیے کہ میں شاہی طبیب بھی ہوں۔“

بڑا پجاری اب مجبور ہو گیا۔

اُس نے عنبر کو ساتھ لیا اور اپنے کمرے کے دروازے میں

سے گزر کر سیڑھیاں اترتا اُس تہہ خانے میں داخل ہو گیا جہاں

کسان کی لڑکی قید تھی۔ ایک کوٹھڑی میں مشعل بل رہی تھی۔ اُس

کی روشنی میں کسان کی بھولی بھالی خوت زدہ لڑکی ایک کونے میں

بٹٹی بیٹھی تھی۔ اُس کا رنگ زرد تھا اور وہ سہمی ہوئی تھی۔ وہ

سوائے اس کے بالکل تندرست تھی کہ اُس پر خوت چھایا ہوا تھا۔

عنبر نے یوں ہی اُس کی نبض وغیرہ دیکھی۔ اصل میں وہ

کچھ اور دیکھ رہا تھا۔ وہ اس بات کا جائزہ لے رہا تھا کہ یہاں

سے لڑکی کو کیسے بھاگ کر لے جائے؟ اُسے محسوس ہوا کہ لڑکی کو

اس تہہ خانے سے نکالنا بڑا مشکل اور کٹھن کام تھا۔ بڑا پجاری

ذرا سی دیر کے لیے باہر گیا تو عنبر نے لڑکی کے کان میں کہا :

”فکر نہ کرو، میں تمہیں یہاں سے نکال دوں گا۔ تم پرسوں

رات تیار رہنا :

پہچاری فوراً اندر آگیا۔ اس اثنا میں عنبر لڑکی سے بات کر چکا تھا۔ اُس کی بات سن کر لڑکی کے چہرے پر کوئی خوشی نہ پیدا ہوئی۔ اس لیے کہ اُسے معلوم تھا کہ مہر خانے کے اندھیرے جہنم سے اُس کو کوئی بھی نہیں نکال سکتا۔ جاتے ہوئے عنبر نے ایک گہری نگاہ لڑکی پر ڈالی اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اُسے تسلی دی کہ فکر نہ کرو، میں پرسوں رات تمہیں یہاں سے نکال کرے جاؤں گا۔

رات بھر وہ اپنے خاص محل میں بیٹھا سوچتا رہا کہ کسان کی لڑکی کو وہاں سے کیسے نکالے؟ قربانی میں صرف ایک رات باقی تھی۔ ادھر بعل کے مندر میں انسانی قربانی کی بڑی زبردست تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ قربان گاہ کے چبوترے کو دن میں چار بار دودھ سے دھو کر پاک کیا جا رہا تھا۔ مقدس آگ میں بار بار صندل اور زعفران ڈالا جا رہا تھا۔ سارے مندر کے ستونوں کو زیتون اور کیلے کی ہری بھری شاخوں سے سجا دیا گیا تھا۔ قربان گاہ کے ساتھ ساتھ سرخ قالینوں پر شاندار چوکیاں بچادی گئی تھیں جن پر پہچاریوں نے بیٹھ کر مذہبی گیت گانے تھے۔

دوسرے روز صبح صبح لڑکی کو قربان کر دیا جانا تھا۔

رات ہو گئی اور پورا چاند آسمان پر نکل آیا۔ اسی رات کے

پچھلے پہر کسان کی معصوم بچہ کو ذبح ہو جانا تھا۔ عنبر بڑی بے حسینی سے اپنے کمرے میں ٹھہل رہا تھا۔ اُس نے طے کر لیا تھا کہ کس طرح لڑکی کو وہاں سے فرار کروانا ہے۔ اب وہ بے حسینی سے وقت کا انتظار کر رہا تھا کہ رات گہری ہو اور وہ مندر کی طرف جائے۔ اُس نے دو عزلی گھوڑے مندر کے پیچھے زیتون کے باغ میں تیار کر رکھے تھے۔ ان گھوڑوں کو اُس کا غلام لیے کھڑا تھا۔ ایک روز پہلے اُس نے شہر سے رات کو باہر نکلنے کا پروانہ بھی حاصل کر لیا تھا۔ اُس نے بادشاہ سے کہا تھا کہ شاید کل رات اُسے شہر سے باہر اپنے ایک بیمار رشتے دار کا علاج کرنے کے لیے جانا پڑے۔

بھول بھول رات گزر رہی تھی۔ عنبر کا دل زیادہ تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ آخر وقت آگیا۔ عنبر نے حمیل کو تالا لگایا اور رتھ پر سوار ہو کر بعل کے مندر کی طرف روانہ ہو گیا۔ مندر سے کچھ دور وہ رتھ بے اترا اور پیدل چل کر مندر کے پھوٹے زیتون کے باغ میں آگیا۔ یہاں وہ اپنے غلام سے ملا جو دو عزلی گھوڑے لیے اُس کی راہ دیکھ رہا تھا۔

”کیا تم تیار ہو؟“

”بالکل حضور۔“

”کیا تم نے کسان کو بھی تیار کر دیا ہے؟“

”وہ ہمیں شہر کے مغربی دروازے کے پاس تیار طے گا۔ اُسے تو یقین نہیں آ رہا تھا میرے آقا کہ ہم اُس کی لڑکی کو بچا کر اُس کے پاس لے جاتے ہیں۔“

”اُسے خدائے واحد پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ وہی ہماری اور اُس کی بیٹی کی مدد کر رہا ہے۔ اب تم یہیں بیٹھو، میں لڑکی کو لانے جا رہا ہوں۔“

”میرے آقا ہوشیار رہیے گا۔“
 ”فکر نہ کرو، مجھے کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ دُعا کر دو کہ لڑکی محفوظ رہے۔“

اتنا کہہ کر عنبر درختوں اور جھاڑیوں میں سے ہوتا ہوا بعل دیوتا کے مندر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے ایک انتہائی تیز دھار والا خنجر اپنے بادل کے اندر چھپا رکھا تھا۔ وہ مندر کے شمال مغربی دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ دروازے پر ایک پُجاری پہرہ دے رہا تھا۔ عنبر نے بھی پُجاریوں ایسا لباس پہن رکھا تھا۔ اُس نے پہریدار کے قریب جا کر پُجاریوں کی طرح اُسے سلام کیا اور پہریدار نے دروازہ کھول دیا، عنبر پُجاری کے ہمیں میں مندر کے اندر داخل ہو گیا۔ اب وہ سجے سجائے ستونوں کے قریب سے ہوتا ہوا بڑی تیزی سے بڑے پُجاری کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ قربانی میں ابھی کافی دیر تھی۔ پھر بھی وہاں بڑی رونق تھی۔ دیواروں کے ساتھ

جگہ جگہ مشعلیں جل رہی تھیں اور پُجاری قربان گاہ کو دھورہے تھے اور دُعا پڑھ رہے تھے۔ عنبر خاموشی سے سر جھکائے اُن کے قریب سے گزرتا چلا گیا۔ ایک دالان کے عقب سے ہو کر وہ مُڑا تو سامنے بڑے پُجاری کا کمرہ تھا۔ کمرے کا دروازہ بند تھا اور باہر مشعل روشن تھی۔ عنبر نے آہستہ سے دھکا دیا تو دروازہ کھُل گیا۔ اندر بھی روشنی ہو رہی تھی اور بڑا پُجاری ایک صندوق میں سے کچھ چیزیں نکال رہا تھا۔

پاول کی آہٹ سُن کر پُجاری نے پلٹ کر دیکھا۔

اُس کے سامنے پُجاریوں کے بھیس میں عنبر کھڑا تھا۔ بڑا پُجاری ایک دم سب کچھ سمجھ گیا۔ ابھی اس نے مدد کے لیے آواز ہی نکالی تھی کہ عنبر نے آگے بڑھ کر تیز دھار والا خنجر پُجاری کے دل میں اُتار دیا۔ پُجاری دھڑام سے نیچے فرش پر گر پڑا اور گرتے ہی مَر گیا۔ عنبر نے جلدی جلدی اُس کے کپڑے اُتار کر کندھے پر رکھے اندر سے کمرے کے دروازے کو کُنڈی لگائی اور بیڑھیاں اُترتا نیچے تہ خانے میں آ گیا۔

کسان کی لڑکی قربانی کے لباس میں اُداس اور غمزہ بیٹھی تھی۔ اُس نے عنبر کو پہچان دیا۔ عنبر نے کہا:

”جلدی سے اپنے کپڑے اُتار کر یہ پُجاری کے کپڑے پہن لو۔“

”مگر۔“

”خدا کے لیے جلدی کرو۔ یہ وقت باتیں کرنے کا نہیں۔“
 لڑکی نے عنبر کے کہنے پر عمل کیا۔ عنبر دیوار کی طرف منہ پھیر
 کر کھڑا ہو گیا۔ لڑکی نے قربانی کا لباس اتار کر پُجاریوں والا لمبا
 پونچھ پہن لیا۔

”جلدی سے میرے ساتھ نکل چلو اور خبردار راستے میں کوئی
 بلوائے بھی تو آواز نہیں نکالنی۔“

عنبر اور لڑکی دونوں پُجاریوں کے لباس میں تھے۔ وہ دونوں
 مہتمم غمانے کی سیڑھیاں چڑھ کر بڑے پُجاری کے کمرے میں آئے۔
 یہاں اُس کی لاش دیکھ کر کسان کی لڑکی سب کچھ سمجھ گئی۔ عنبر
 نے آگے بڑھ کر دروازے کی کنڈی اُتاری اور لڑکی کو ساتھ لے
 کر باہر مندر کے صحن میں آگیا۔ وہاں قربانی کی تیاریاں بڑے زور
 شور سے شروع تھیں۔ پُجاری مثالیں لیے ادھر سے ادھر گھوم پھر
 رہے تھے۔ عنبر نے لڑکی کے ہاتھ میں بھی ایک مشعل تھما دی اور
 اُسے ساتھ لیتا قدم قدم چلتا بڑے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔
 اُسے ہر قدم پر یہی خطرہ تھا کہ کہیں اُس کا راز فاش نہ
 ہو جائے اور وہ پکڑ نہ لیے جائیں۔ اپنے بارے میں تو اُسے معلوم
 تھا کہ کوئی بھی اُسے ہلاک نہ کر سکے گا۔ مگر لڑکی کا پہننا محال تھا۔
 وہ دل ہی دل میں خدا سے دعا مانگتا رہا کہ وہ ان دونوں کو اپنی
 حفاظت میں مندر سے باہر نکال دے۔ یہ لڑکی کی خوش قسمتی تھی

کہ کسی نے بھی اُن پر شک نہ کیا۔ سب نے یہی سمجھا کہ وہ پُنجاری ہیں اور انسانی قربانی کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔

عنبر بڑے دروازے میں سے نکل کر باہر سنگ مرمر کی روش پر آگیا۔ یہ روش مندر کے دوسرے حصے کی طرف چلی گئی تھی۔ تھوڑی دُور اُس روش پر پہنچنے کے بعد عنبر نے لڑکی کا ہاتھ پکڑا اور اُسے جنگل کی طرف لے گیا۔ یہاں پہنچ کر اُس نے کہا:

”بھاگ چلو!“

اور اُن دونوں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ جنگل کی بھڑیوں اور سرکنڈوں میں سے ہوتے ہوئے عنبر اُس جگہ پہنچ گیا جہاں اُس کا غلام گھوڑے لیے انتظار کر رہا تھا۔ غلام نے آگے بڑھ کر انہیں سلام کیا اور بولا:

”میرے آقا رب شمس کا شکر ہے کہ آپ آگئے۔“

عنبر نے لڑکی کو گھوڑے پر سوار ہونے کے لیے کہا۔ دوسرے گھوڑے پر وہ خود سوار ہو گیا۔ اُس نے حبشی غلام سے کہا:

”تم نے مجھ پر جو احسان کیا ہے، میں اُسے ساری زندگی فراموش نہ کر سکوں گا۔ آج سے تم آزاد ہو۔ میری حویلی کا سارا سامان سارا روپیہ تمہارا ہے۔“

”میرے آقا، آپ کی خدمت میرا فرض تھا۔ میں نے آپ کی

خدمت کر کے اپنا فرض ادا کیا ہے ؟
 ”خدا تمہارا نگہبان ہو“

اس کے ساتھ ہی عنبر نے لڑکی کے گھوڑے کی پیٹھ پر ہاتھ مارا اور خود بھی گھوڑے کو ایڑ لگا کر جنگل سے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ جنگل سے نکل کر اُس نے اپنے لیے ایک ویران راستہ چن لیا۔ یہ کھیتوں اور مکانوں کے عقب سے ہو کر گزرتا تھا۔ شہر کے شمال مشرق دروازے پر لڑکی کا باپ گھوڑے پر سوار ان کا انتظار کر رہا تھا۔ اُس نے اپنی بیٹی کو زندہ سلامت دیکھا تو خوشی سے مہال ہو کر اُس نے بچی کو پیٹنے سے لگا لیا۔ عنبر نے دروازے کے چوکیدار کو پروانہ دکھایا اور کہا کہ وہ اپنے دو غلاموں کے ساتھ باہر کی بستی میں ایک مرہین دیکھنے جا رہا ہے۔ پہریدار نے دروازہ کھول دیا اور تینوں شہر سے نکل کر آزاد فضا میں آ گئے اور انہوں نے سرپٹ گھوڑے دوڑانے شروع کر دیے۔

طلالہ کی روح

مندرجہ میں پُجاری لڑکی کی قربانی کے لیے بالکل تیار تھے۔
 جلاؤ تلوار لیے کھڑا ہو گیا۔ پُجاری نے کہا کہ بڑے پُجاری
 سے کہو کہ لڑکی کو تہہ خانے سے قربانی کے لیے لے آئے۔ کچھ
 پُجاری بڑے پُجاری کے کمرے کی طرف بڑھے۔ انہوں نے دروازے
 پر دستک دی۔ اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ انہوں نے دروازہ
 کھول کر اندر دیکھا تو اُن کی چیخ نکل گئی۔ ان کے سامنے فرش
 پر بڑے پُجاری کی لاش خون میں لت پت پڑی تھی۔ ہر طرف
 ایک شومع گیا۔ پُجاری بھاگ کر نیچے تہہ خانے میں گئے۔ وہاں
 لڑکی غائب تھی۔

پُجاریوں نے غلُ مچا دیا کہ بڑا پُجاری قتل کر دیا گیا ہے اور
 دیوتا کے حضور قربان کی جانے والی لڑکی غائب ہے۔ ایک کُرام
 مع گیا۔ اُسی وقت بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ دیوتا کی سخت
 بے عزتی ہوئی ہے اور اب ساری قوم پر سارے ملک پر اس
 کا شدید عذاب نازل ہوگا۔ بادشاہ نے وزیر دربار کو بلوایا تو معلوم
 ہوا کہ وہ بھی غائب ہے۔ وہ فوراً سمجھ گیا کہ یہ ساری کارستانی

وزیر دربار کی ہے اور وہی لڑکی کو بھگا کر بے گیا ہے۔ اُن کے مذہب کے خلاف یہ اس قدر بڑا گناہ تھا جسے بادشاہ کبھی معاف نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے غضب میں آکر یہ اعلان کیا۔

”فوج کو اُن کے پیچھے دوڑایا جائے اور صبح ہونے سے پہلے پہلے لڑکی کو گرفتار کر کے دیوتا کے حضور قربان کر دیا جائے“۔ فوج کا ایک چاق و چوبند دستہ نیزوں اور تیرکمان سے کمر بستہ ہو کر سرپٹ گھوڑے دوڑاتا شہر کے دروازے سے نکلا اور غنبر کی تلاش میں روانہ ہو گیا۔ غنبر نے دو گھنٹوں کے جُرم کیسے تھے۔ ایک تو بڑے پُجاری کو خنجر مار کر ہلاک کر دیا تھا اور دوسرے دیوتا کے حضور قربان کی جانے والی لڑکی کو اغوا کر لیا تھا۔ بدینی بال بے حد غصہ و غضب کے عالم میں تھا اور چاہتا تھا کہ اگر اُسے غنبر مل جائے تو اُسے کچا ہی چبا کر کھا جائے۔ اُسے یقین تھا کہ اُس کے مہادر سپاہی صبح ہونے سے پہلے صحراؤں میں سے دھونڈ کر لڑکی کو گرفتار کر کے لے آئیں گے۔ اُس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ لڑکی کی قربانی کے بعد وہ غنبر کو ایک زمین دوز تہ خانے میں بند کر دے گا جہاں وہ قیامت تک قید رہے گا۔ غنبر، کسان اور اُس کی بیٹی کو لے کر ایلام شہر سے کافی دُور نکل چکا تھا۔ اس وقت وہ ایک صحرا سے گزر رہا تھا جہاں جگہ جگہ ریت کے ٹیلے تھے۔ دن نکل آیا اور دھوپ میں تیزی آنا شروع

ہو گئی تھی۔ لڑکی نے کہا :

”میں تھک گئی ہوں بابا“

کسان نے اپنی بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا :

”تو پھر کچھ دیر آرام کر لو بیٹی یہاں“

عنبہ نے کہا :

”ایسا سرگزنہ کرنا۔ بادشاہ کی فوج یقیناً ہماری تلاش میں

روانہ ہو چکی ہوگی۔ اگر ہم یہاں آرام کرنے کے لیے رُک گئے

تو ضرور گرفتار کر لیے جائیں گے“

”میری بیٹی تھک گئی ہے“

کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری بیٹی آج شام سے پہلے

قربان گاہ پر قربان کر دی جائے۔ اگر تمہارا یہ خیال ہے تو بے

شک یہاں آرام کرنے کے لیے رُک جاؤ“

کسان نے گھبرا کر کہا :

”نہیں نہیں، میں یہ کبھی گوارا نہیں کر سکتا۔ تم نے میری

بیٹی کی جان بچا کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ تم مجھے جس

طرح کہو گے ویسے ہی کر دوں گا“

”تو پھر سفر جاری رکھنا ہوگا“

لڑکی نے کہا :

”اے بابا، ہم سفر جاری رکھیں گے۔ میرے مَن کا خیال ٹھیک

ہے۔ بادشاہ نے ہماری تلاش میں فوج ضرور روانہ کر دی ہوگی ؟
 ”ٹھیک ہے میری بچی ! مجھے آرام سے تمہاری جان زیادہ عزیز

ہے۔“
 تینوں مسافروں نے سفر جاری رکھا۔ اُن کے عزلی گھوڑے
 انہیں صحرا میں اڑاتے ہوئے گزر رہے تھے۔ دوپہر کے بعد وہ
 ایک ٹیلے کے عقب میں سے گزرنے لگے تو عنبر کو محسوس ہوا
 کہ گھوڑے تھک گئے ہیں۔ اُس نے کہا :

”گھوڑے تھکن سے چور ہو رہے ہیں۔ میرا خیال ہے ایک
 پل کے لیے یہاں آرام کر لینا ہی بہتر ہے۔“
 ”جیسے آپ کی مرضی میرے آتا۔“

کسان نے کہا اور اپنی بچی اور عنبر کے لیے ٹیلے کی چھاؤں
 میں بھیڑ کی کھال بچھا دی۔ تینوں مسافر اس پر بیٹھ گئے۔ عنبر نے
 گھوڑوں کو کھول دیا اور جھوٹے میں سے چارہ نکال کر اُن کے
 آگے ڈال دیا۔ گھوڑے چارہ کھانے لگے۔ ابھی انہیں دہاں بیٹھے
 تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ اچانک دُور سے عنبار سا بلند ہوتا
 نظر آیا۔ لڑکی نے عنبار کو دیکھ عنبر کی توجہ اُس طرف دلائی۔

”یہ عنبار سا کیسا ہے ؟“
 کسان اور عنبر نے چونک کر عنبار کی طرف دیکھا اور گھبرا کر کہا :
 ”معلوم ہوتا ہے بادشاہ کی فوج ہمارے سر پر پہنچ گئی ہے۔“

کسان نے گھبرا کر کہا :

”اب کیا ہوگا میرے آقا؟“

عُمبر نے کہا :

”صرت ہمیں گھبرانا نہیں ہے۔ ہمیں یہاں سے فوراً نکل جانا چاہیے۔“

اُنہوں نے چادریں گھوڑوں پر ڈالیں اور صحرا میں گھوڑے ڈال دیے۔ مگر بادشاہ ہیننی بال کے چاق و چوبند سواروں کا وہ مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ سوار سرپٹ گھوڑے دوڑاتے آگے بڑھتے چلے آ رہے تھے اور اُن کے درمیان فاصلہ کم ہو رہا تھا۔ ایک ٹیلے کے پاس پہنچ کر کسان نے مڑ کر دیکھا تو اُس کی پیچ نکل گئی۔ عُمبر نے گھوم کر دیکھا۔ سواروں کے نیزے دور سے دھوپ میں چمکتے نظر آنا شروع ہو گئے تھے۔ عُمبر پریشان ہو گیا۔ اُس نے خطرے کو محسوس کر لیا تھا کہ وہ اُن کے سروں پر منڈلانے لگا ہے۔ مگر صحرائیں وہ چُپ کر کہاں جاسکتا تھا؟

بادشاہ کے سوار قریب سے قریب تر آ رہے تھے۔ اب دُور سے اُن کے سوسے کے ٹوپ اور زرہ بکتر بھی صاف نظر آنے لگے تھے۔ کسان نے کہا :

”اب کیا ہوگا میرے آقا؟“

”وہ ہمیں ضرور پکڑ کرے جائیں گے۔ وہ مجھے بڑی بیدردی سے ہلاک کر دیں گے۔ وہ میرے بابا کو بھی ہلاک کر دیں گے۔“

عنبز نے ہاتھ بلند کر کے کہا :

”گھوڑوں سے اتر کر ٹیلے کی اوٹ میں ہو جاؤ ؟“

”اس سے کیا ہو گا میرے آقا؟“ کسان نے گھبرا کر پوچھا۔

”جیسا میں کہتا ہوں ویسا ہی کرو۔“

کسان اور اُس کی بیٹی گھوڑوں سے اتر کر ریت کے ٹیلے کی اوٹ میں ہو گئے۔ فوج کا دستہ انہیں ستھوڑے فاصلے پر اُن کی طرف طوفان کی طرح بڑھتا صاف نظر آ رہا تھا۔ عنبز بھی گھوڑے سے اتر پڑا اور صحرا میں دوڑا نو ہو کر دُعا مانگنے لگا۔ جتنی دیر وہ دُعا مانگتا رہا بادشاہ کی فوج اُس کے اور قریب آتی گئی۔ کسان اور لڑکی کا مارے خوف کے دم نکلا جا رہا تھا۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ دُعائیں مانگنا اب فضول ہے۔ اُنہیں دُنیا کی کوئی طاقت فوج سے نہیں بچا سکتی۔

اچانک عنبز نے آنکھیں کھول دیں۔ اُسے ایک آواز سنائی دی۔

”عنبز، میری آواز پہچانتے ہو؟“

”کیا تم — تم طلحہ کی رُوح ہو؟“

”تم نے کتنی جلدی مجھے پہچان لیا۔ یقیناً تم میری قدر کرتے

تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہزار برس گزر جانے پر بھی تم نے میری آواز کو جھٹ پہچان لیا۔ میں نے تمہاری قدر نہ کی اور تم سے دھوکہ کیا۔ میری رُوح ایک ہزار سال سے بے چین چلی آرہی تھی۔

میں موقع کی تلاش کر رہی تھی کہ مصیبت میں تمہاری مدد کر کے اپنے گناہ کا کفارہ ادا کروں۔ رب عظیم کا شکر ہے کہ آج مجھے موقع مل گیا۔ میں تمہاری مدد کو آئی ہوں۔“

طلالہ کی روح کی آواز کسان اور اُس کی بیٹی کو سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ حیران ضرور ہو رہے تھے کہ عنبر کس سے باتیں کر رہا ہے۔ فوج اب بالکل سامنے آگئی تھی اور اُس نے بھی اپنے شرکار کو دیکھ لیا تھا اور سپاہی دُور سے تیر برس آنے لگے تھے۔ تیروں کی پہلی بوچھاڑ عنبر سے کوئی پچاس گز کے فاصلے پر آ کر گرئی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ دوسری بار اُس کے اوپر گرنے والی تھی۔ کسان کی لڑکی نے رونا شروع کر دیا۔ عنبر نے کہا :

”طلالہ کی روح، اگر تم میری کچھ مدد کر سکتی ہو تو اس فوج کو روکو۔ میں ایک مظلوم اور معصوم لڑکی کی جان بچا کر اس سے بھاگ رہا ہوں۔ میں ایک نیک کام کر رہا ہوں اور ہلنی بال کی فوج اس لڑکی کو ذبح کر دینا چاہتی ہے جو گناہ ہے۔ اس گناہ کے خلاف لوہے کی دیوار بن کر کھڑی ہو جاؤ اور اس باپ بیٹی کی جان بچا لو۔“

”میں بڑی خوشی سے تمہاری مدد کروں گی عنبر، مگر یہ بتاؤ کہ کیا پھر تم مجھے معاف کر دو گے؟“

”ہاں ہاں، میں پھر تمہیں معاف کر دوں گا۔ ضرور معاف کر

دووں گا۔ مگر خدا کے لیے اس وقت جلدی کرو۔ فوج ہمارے سر پر آگئی ہے۔“

”ابھی دیکھ کیا ہوتا ہے عینبر، گھبراؤ نہیں!“

طلالہ کی رُوح اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی۔ تیروں کی دوسری بوچھاڑ ٹیلے کے قریب آ کر رگری اور کسان کی چنچ نکل گئی۔

”خدا کے لیے یہاں سے بھاگ چلو میرے آقا، تم کس سے بائیں کر رہے ہو۔ اُٹھو، اپنی اور ہماری جان بچاؤ۔“

کسان اپنی بیٹی کا بازو پکڑ کر ایک طرف بھاگنے لگا تو عینبر نے آگے بڑھ کر اُسے روک کر ٹیلے کی اوٹ میں کر دیا۔

”چپ چاپ یہاں بیٹھ جاؤ۔“

”کیا تم ہمیں فوج کے ہاتھوں قتل کروانا چاہتے ہو؟“

”تم دیکھتے رہو کیا ہوتا ہے۔“

فوج کا دستہ اب بالکل سامنے آگیا تھا اور اُن کے سپہ سالار نے لٹکار کر کہا :

”خبردار، بھاگنے کی کوشش نہ کرنا، نہیں تو جان سے مار

دوئل گا۔“

ایک دم آسمان پر بڑے زبردست کڑا کے کے ساتھ بجلی چلی اور ایک زلزلہ سا آگیا۔ صحرا کی زمین ہلنے لگی۔ فوج کا دستہ رُک گیا۔ گھوڑے الٹ ہو کر زور زور سے ہنہانے لگے۔ دوسری بار بجلی

چمکی تو پہلے سے زبردست کڑک پیدا ہوئی۔ صحرا گونج اٹھا۔ اس کے ساتھ ہی فوج کے دستے اور عنبر کے درمیان کی زمین شق ہو گئی اور وہاں ایک گہرا غار نمودار ہو گیا۔

فوج کے سپاہی حیرت زدہ ہو کر ایک دوسرے کا منہ تھکنے لگے سپہ سالار نے حکم دیا :

”نیزدوں کی بوچھاڑ کر دو۔ یہ جادو ہے اور کچھ سنہیں !“

سپاہیوں نے کسان، اُس کی بیٹی اور عنبر پر نیزے اور تیر برساتے شروع کر دیے۔ نیزے اور تیر ان تینوں کے آس پاس آگر گرنے لگے۔ قریب تھا کہ کسی نہ کسی تیر یا نیزے سے کسان اور اُس کی بیٹی ہلاک ہو جائیں کہ ایک بار پھر آسمان پر بجلی کا شعلہ نمودار ہوا۔ خوفناک کڑک کے ساتھ یہ شعلہ غیض و غضب کے عالم میں زمین کی طرف پڑا اور فوج کے دستے پر ایک بلائے ناگمانی بن کر گرنا۔ دیکھتے ہی دیکھتے آدھے گھوڑے اور آدھے سپاہی اُس شعلے میں جل بجھ کر راکھ ہو گئے۔ باقی سپاہی سبھاگنے لگے تو چوتھی بار زبردست گرج کے ساتھ شعلہ پڑا اور باقی ماندہ گھوڑے اور سپاہی بھی جل کر راکھ ہو گئے۔ اب وہاں سوائے سپاہیوں اور گھوڑوں کی جلی ہوئی لاشوں کے اور کچھ سنہیں تھا۔

طلالہ کی رُوح کی آواز سنائی دی :

”عنبر! میں نے تمہارے محکم کے مطابق تمہاری مدد کر دی

ہے۔ کیا تم نے میرے گناہ کو معاف کر دیا ہے ؟
 ” تمہارا شکریہ اعلان، یقین کرو، میں نے تمہیں دل سے معاف
 کر دیا ہے۔“

” ربّ عظیم تمہارا کہنیاں ہو۔“

اس کے بعد طلحہ کی رُوح نے خوشی سے ایک قہقہہ لگایا
 صحرا میں جیسے بے شمار بادلوں کی گرج سُنائی دی اور پھر بہر طر
 سناٹا چھا گیا۔ کسان اور اُس کی بیٹی نے یہ سارا کرشمہ سہے ہوئے
 دیکھا تھا۔ اُن بے چاروں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب
 کچھ کیا ہوا اور کیسے ہو گیا ؟ وہ عنبر کے قدموں پر سجدے میں
 گر گئے اور اُن کے پاؤں کو چومنے کی کوشش کرنے لگے۔
 عنبر نے اُنہیں اُٹھایا اور کہا :

” سجدہ کسی انسان اور بُت کو نہیں کیا جاتا۔ سجدہ صرف
 خدائے واحد کو کیا جاتا ہے۔ تم لوگوں نے جو کچھ دیکھا، یہ اُسی
 خدائے واحد کا کرشمہ تھا۔ اگر اُس کی مرضی نہ ہوتی تو یہ کچھ
 بھی نہ ہوتا اور ہم فوج کی قید میں ہوتے — اور اب آگے
 بڑھتے ہیں۔ ملک نویہ کی ہر مدیہاں سے دُور نہیں ہے۔“
 خوش اور میرت زدہ کسان اپنی خوش قسمت بیٹی کو
 لے کر زمین پر سے اُٹھا اور گھوڑے پر سوار ہو کر بولا :
 ” میں تمہارے خدائے واحد پر ایمان لاتا ہوں۔“

اور عنبران دونوں باپ بیٹی کو لے کر ملک نوبہ کی طرف
روانہ ہو گیا ۔

پاکستانی یوانٹ
ڈاٹ کام

آسمانی آگ

ملک نوبیہ میں عبیر ایک حکیم کے بھیس میں داخل ہوا۔ کسان اور اُس کی بیٹی کو اُس نے باپ اور بہن ظاہر کیا۔ نوبیہ پر چونکہ ہینی بال کی پڑھائی کا خطرہ منڈلا رہا تھا۔ اس لیے سرحدی سپاہیوں نے کافی چھان بین کے بعد عبیر اور اُس کے ساتھیوں کو سرحد کے اندر داخل ہونے کی اجازت دی۔ نوبیہ کا پہلا شہر سرحد سے تھوڑی ہی دُور واقع تھا۔ یہاں عبیر نے کسان اور اُس کی بیٹی کو اپنے سے بُدا کر دیا۔ اُنہوں نے عبیر کا ایک بار پھر تہ دل سے شکریہ ادا کیا اور نئے ملک میں نئی زندگی شروع کرنے کے لیے اپنی راہ لی۔

عبیر گھوڑے پر سوار دواؤں کا بھولا بعل میں ٹکائے نوبیہ کے دارالحکومت سمیر کی طرف روانہ ہو گیا۔ سمیر اُس زمانے میں ایک انتہائی ترقی یافتہ شہر تھا اور ابھی ترقی کی منزلیں طے کر رہا تھا۔ شہر کے مکان پختہ اینٹوں کے تھے اور سڑکوں پر دونوں جانب سایہ دار درخت کھڑے تھے۔ ملک کا محل شہر کے بیچ میں تھا۔ جن کا سنہری گنبد دُور ہی سے چمکتا دکھائی دیتا تھا۔ عبیر شہر

کی مشرکوں پر سے گزرتا لوگوں کو تجارت کرتے اور سودا سلف کی خرید و فروخت کرتا دیکھتا ہوا شاہی محل کی طرف جاتا تھا۔ وہ ملکِ نوبہ سے ملاقات کرنا چاہتا تھا۔

شاہی محل کے دروازے پر پہریاروں نے اُسے روک لیا اور پوچھا کہ وہ کون ہے اور کس سے ملنا چاہتا ہے۔ عنبر نے بتایا کہ وہ افریقہ کے ملکِ ایلات سے آ رہا ہے اور ملک کے لیے ایک خاص پیغام لایا ہے۔ پہریاروں نے اُسے کو ٹھٹھی میں بیٹھا لیا اور وزیرِ دربار کو پیغام بھجوادیا۔ تھوڑی دیر بعد وزیرِ دربار کے پاس آئے اور عنبر کو اپنے ساتھ لے گئے۔ وزیرِ دربار اپنے محل کے باغ میں سنگِ مرمر کے تخت پر بیٹھا تھا۔ اُس کے غلام چاروں طرف ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ عنبر نے سلام کیا اور خاموش ہو کر کھڑا ہو گیا۔

وزیرِ دربار نے پوچھا:

”اے نوجوان، تو ملکِ عالیہ کے لیے کیا پیغام لایا ہے؟“

عنبر نے کہا:

”یہ میں صرف ملکِ عالیہ ہی کو بتا سکتا ہوں۔“

وزیرِ دربار بولا:

”میں ملکِ عالیہ کا وزیرِ دربار ہوں۔ مجھ سے حکمت کا کوئی راز

چھپا ہوا نہیں ہے۔ تم بلا خوف مجھے اپنا راز بتا سکتے ہو۔“

عُمبر نے کہا :

”محترمی، مجھے بہت افسوس ہے کہ میں سوائے ملکہ کے اور کسی سے کوئی بات نہیں کر سکتا“

وزیر دربار ایک انتہائی شریف انسان تھا۔ اُس نے کہا :

”بہت بہتر، اگر تم ملکہ سے ملاقات کرنے پر اصرار کرتے ہو تو میں آج ہی ملکہ عالیہ سے تمہاری ملاقات کروائے دیتا ہوں۔ ابھی تم سہنا کر کھانا کھاؤ۔“

”شکریہ“

وزیر دربار اُسی وقت ملکہ سے ملاقات کرنے خاص محل میں آگیا۔ اُس نے ملکہ کو بتایا کہ ایک نوجوان ایلات سے آیا ہے اور کوئی خاص پیغام لایا ہے جسے وہ صرف باپ ہی کو بتانا چاہتا ہے۔ ملکہ نے کہا :

”اُسے ہمارے حضور میں لے آئیے“

عُمبر غسل کے بعد کھانا کھا کر فارغ ہی ہوا تھا کہ وزیر دربار نے اُسے بتایا کہ ملکہ عالیہ اُس سے ابھی ملاقات کرنا چاہتی ہے۔ عُمبر بہت خوش ہوا اور اُس کے ساتھ ایک عالی شان ریکو میں سوار ہو کر ملکہ کے خاص محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ ملکہ اپنے انشائیں محل میں بیٹھی اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ عُمبر نے اندر آتے ہی جھک کر سلام کیا اور پھر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ ملکہ

نے بڑے غور سے عنبر کو دیکھا۔ اُسے عنبر کے چہرے سے شرافت اور اچھے خاندان کی چمک نظر آئی۔ ملکہ نے عنبر سے پوچھا :

”تمہارا نام کیا ہے اے نوجوان؟“

عنبر نے یہ بتانا مناسب خیال نہ کیا کہ وہ ایک ہزار برس سے زندہ چلا آ رہا ہے۔ کیونکہ اس راز کو کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اُس نے کہا :

”اے ملکہ عالیہ میرا نام عنبر ہے۔ میرا تعلق مصر کے فرعونوں کے ایک قدیم خاندان سے ہے۔ میرے خاندان پر پہلی بال بادشاہ نے قبضہ کر لیا ہے اور میں اُس کے دربار سے بھاگ کر آیا ہوں۔“

ملکہ نے حیرانی سے پوچھا :

”تم پہلی بال کے دربار میں تھے کیا؟“

”ہاں ملکہ، میں اُس کے دربار کا وزیر تھا۔ مگر بادشاہ یہی جان کا دشمن بن گیا۔ صرف اس لیے کہ میرا تعلق مصر کے قدیم خاندان سے ہے۔ اُس نے مجھے قتل کروانے کی کوشش کی۔ یہی نسبت اچھی سمجھی کہ ایک ونا دار غلام نے مجھے ہوشیار کر دیا اور میں وہاں سے جان بچا کر آپ کے ملک میں پناہ لینے آیا ہوں۔“

ملکہ کچھ سوچ میں پڑ گئی۔ پھر اُس نے کہا :

”ہم تمہیں اپنے ملک میں پناہ دیتے ہیں۔ مگر کیا تم کو معلوم ہے کہ ہلینی بال ہمارے ملک پر کب چڑھائی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے؟“

”ملکہ عالیہ، ہلینی بال کے ملک میں قحط پڑا ہوا ہے۔ وہ ابھی اپنی مصیبت میں پھنسا ہے۔ بھول ہی اُس کو قحط سے نجات ملی وہ آپ کے ملک پر حملہ کر دے گا۔ اس نے ساری تیاریاں مکمل کر رکھی ہیں۔“

ملکہ نوبیر کے لیے یہ معلومات بہت قیمتی تھیں۔ اُس نے پوچھا: ”اے نوجوان، کیا تمہیں معلوم ہے کہ ہلینی بال کتنی فوج کے ساتھ میرے ملک پر حملہ کرے گا؟“

”ملکہ عالیہ، ہلینی بال کے پاس ایک لاکھ فوج ہے جس میں ہاتھیوں کا ایک دستہ بھی ہے۔“

ملکہ نے وزیر دربار کی طرف دیکھا۔ وزیر دربار نے کہا:

”ملکہ معظمہ، ہاتھیوں کا دستہ ہمارے لیے پریشانی کا باعث ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ہمارے سپاہی ہاتھیوں سے رٹنے کے عادی نہیں ہیں۔“

”اس دستے کے مقابلے کے لیے ہمیں ابھی سے تیاری شروع کر دینی ہوگی۔“

عسبر نے کہا:

”اگر آپ اہانت دیں تو اس سلسلے میں میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔“

”کیوں نہیں؟ ہم اپنے ملک اور رعایا کو شکست سے بچانے کے لیے تم سے بھی مشورہ لینے کو تیار ہیں؟“
عنبز نے کہا :

”شہر سے باہر کافی فاصلے پر ایک گہری خندق چاروں طرف کھدوا دیں۔ اس خندق میں حملے کے وقت آگ جلا دیں مانتی آگ کو دیکھ کر آگے آنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ اگر ہم اوپر سے جلتے ہوئے تیروں کی بارش کر دیں تو مانتی اٹا ہینی بال کی فوج کو کچل کر سجاگ جائیں گے۔“

”ہمیں تمہاری تجویز پسند آئی ہے عنبز! ہم آج ہی سے اس پر عمل کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ باقی تم ہمارے محل میں درباری کی حیثیت سے رہو گے۔“
عنبز نے جھک کر کہا :

”اس عزت کے لیے میں حضور کا شکر گزار ہوں۔“

عنبز نے ملکہ کے شاہی محل میں رہائش اختیار کر لی۔

ادھر جب ہینی بال کو معلوم ہوا کہ جو سپاہیوں کا خاص دنہ عنبز اور دیوتا پر قربان کی جانے والی کسان لڑکی کی تلاش میں روانہ ہوا تھا وہ راستے میں آسانی بھلی سے جھل کر بھسم ہو گیا

ہے تو اُسے بے حد صدمہ ہوا۔ وہ عفتے سے کانپنے لگا۔ اُس نے حکم دے دیا کہ عنبر اور لڑکی کو بہر حالت میں گرفتار کر کے اُس کے دربار میں پیش کیا جائے۔ سپاہی اُس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ ایک ہفتے بعد بادشاہ کے خاص جاسوسوں نے آکر خبر دی کہ عنبر اور کسان لڑکی نے ملکہ نوبیہ کے شہر میں پناہ حاصل کر لی ہے۔ بینی بال کا عفتہ اور بڑھ گیا۔ اُس نے کہا :

”ہم ملکہ نوبیہ کے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے ؟
 بینی بال انتقام کی آگ میں اس قدر پاگل ہوا جا رہا تھا کہ اُس نے ملک سے قحط دور ہو جانے کا بھی انتظار نہ کیا اور ایک لاکھ فوج لے کر ملک نوبیہ پر حملہ کر دیا۔ دس روز کے سفر کے بعد وہ نوبیہ کی سرحدوں میں داخل ہو گیا۔ اُس نے کئی چھوٹے چھوٹے شہر فتح کر کے لوگوں کو قتل کر دیا اور مکانات اور کھیتوں کو بلا کر خاک کر دیا۔ ملکہ کو حملے کی خبر ملی تو اُس نے وزیر جنگ اور سپہ سالار کو بلا کر حملے کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔ شہر کے دروازے بند کر دیے گئے اور شہر پناہ کی دیواروں پر تیر کمان والے سپاہی چڑھ کر بیٹھ گئے۔ دوسرے روز بینی بال کی فوج نے شہر پر حملہ کر دیا۔ سارا دن جنگ ہوتی رہی مگر وہ شہر کا دروازہ توڑنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ شہر کے باہر

کھدی ہوئی خندق میں آگ لگی تھی۔ ہاتھی آگ کو دیکھ کر ڈر گئے مگر ہینی بال نے دو روز کے اندر آگ کو ٹھنڈا کر دیا اور تختوں کے پہل بنا کر ہاتھیوں کو لے کر قلعے کی طرف بڑھنے لگا۔ قلعے کے ایک خاص برج میں ملکہ نوبیر اپنے وزیر دربار اور غنیمت کے ساتھ کھڑی ٹرائی کا منظر دیکھ رہی تھی۔

ہینی بال کی بے پناہ فوج اور ہاتھیوں کے لشکر کو دیکھ کر وہ خوت زدہ ہو گئی۔ اُسے یوں لگا جیسے ہینی بال کا مقابلہ کرنا بہت مشکل ہے اور وہ قلعے کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔ ملکہ کی فوج شہر سے نکل کر دن بھر لڑتی رہی۔ شام کو وہ قلعے میں واپس آ گئی اور دروازے بند کر دیے گئے۔ ملکہ پریشانی کے عالم میں اپنے خاص محل میں ٹھل رہی تھی۔ اُسے اپنی شکست صاف نظر آرہی تھی۔ ہینی بال کی ہاتھیوں کی فوج صبح حملہ کرنے والی تھی اور ہزاروں ہاتھیوں کے آگے اُس کے مٹھی بھر تیر چلانے والے سپاہیوں کا دستہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

غنیمت نے ملکہ کی پریشانی کو دیکھ کر کہا :

”اے ملکہ آپ نے مجھے پناہ دی تھی۔ میں آپ کو پریشان نہیں دیکھ سکتا۔ ہینی بال ایک ظالم اور سنگ دل بادشاہ ہے۔ اگر اُس نے آپ کا ملک فتح کر لیا تو وہ اس میں آگ لگا دے گا اور عورتوں اور بچوں کو بے رحمی سے قتل کر دے گا۔“

ملکہ نے کہا :

”مگر ہم اتنی بڑی فوج اور ہاتھیوں کے لشکر کا کیسے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ہمارے پاس تو فوج بھی بہت کم ہے۔“

عزیز نے کہا :

”آپ گھبراہٹ نہیں۔ خدائے واحد نے چاہا تو کل خطے کے وقت میدان جنگ کا نقشہ پٹ جانے لگا۔ آسمان سے بجلی گرے گی اور ظالم بادشاہ کا لشکر برباد ہو جائے گا۔“

ملکہ نے حیرانی سے پوچھا :

”عزیز! کیا تم جادو گر بھی ہو؟“

عزیز نے کہا :

”اے ملکہ میں جادو گر نہیں ہوں۔ میں ایک خدا پر ایمان رکھتا ہوں۔ میں بتوں کی پوجا بھی نہیں کرتا۔ مجھے اپنے خدا پر بھروسہ ہے۔ وہ کسی نہ کسی ذریعے سے ہماری ضرورت مدد کرے گا۔“

ملکہ کو عزیز کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا ! حالانکہ اُس کا جی چاہتا تھا کہ وہ اُس کی باتوں پر اعتبار کرے۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ آسمان سے بجلی گرے اور ہینی بال کا طاقتور لشکر تباہ ہو جائے۔ اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ ملکہ ساری رات اپنی خواب گاہ میں جاگتی رہی۔ وہ پریشانی کی وجہ سے ایک پل کے لیے بھی نہ سو سکی۔

دن چڑھا تو ہینی بال کی فوجوں نے بڑا زبردست حملہ شروع کر دیا۔

ہتھیوں کا سیلاب دوڑتا ہوا تلخ کی فیس کی طرف بڑھا اور ہتھیوں نے جلتے تیروں کی بارش میں دیوار کے ساتھ ٹکریں مارنی شروع کر دیں۔ محل میں ایک زلزلہ سا آگیا۔ ملکہ سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اُس کی فوج بڑی بہادری سے لڑ رہی تھی۔ مگر ہینی بال کی فوج کے آگے اُس کی کوئی پیش نہ جا رہی تھی۔ عسکر نے وعدے کے مطابق ملکہ کو تسلی دی اور محل کی چھت پر آگیا۔ اس وقت چھت پر کوئی نہیں تھا۔ اُس کے اوپر سے دشمن کے تیر گزر رہے تھے۔ میدان جنگ میں ایک قیامت کا شور مچا ہوا تھا۔

عسکر نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور مشرق کی طرف منہ کر کے آواز دی :

”اے طلحہ کی رُوح، آج پہلی بار میں مدد کے لیے تمہیں بلا رہا ہوں۔ تم جہاں کہیں بھی ہو یہاں آؤ اور ملکہ نو بیہ کی مدد کرو۔ اُس کے امن پسند ملک پر ایک ظالم نے حملہ کر دیا ہے وہ اُس کے محل کو آگ لگا کر اُس کی رعایا کو قتل کر رہے۔ اُن کے مکانات اور کھیتوں کو آگ لگا دینا چاہتا ہے۔ انسان کی ہمدردی اور انصاف کے نام پر تو ظاہر ہو کر ملکہ کی مدد کر :“

عبر خاموش ہو گیا۔ اُس نے کچھ بار پکارا مگر طلالہ کی رُوح نہ آئی۔ آخر جب عبر نے ساتویں دفعہ اُسے آواز دی تو طلالہ کی رُوح نے ایک قہقہہ لگا کر کہا :

”عبر! تمہاری آواز مجھے بڑی دُور پہنچنے کی بجائے لاتی ہے۔ میں نے تمہاری ساری بات سُن لی ہے : تمہاری اور مظلوم ملک کی مدد کر کے مجھے خوشی ہو گی۔ یہی ہال نے ملک کے ملک پر لڑا کو بن کر حملہ کیا ہے۔ اُسے اُس کی سزا ضرور مل کر رہے گی !“

اس کے بعد آسمان پر بجلی چلی۔ ایک کڑا کا پیدا ہوا جس کی گونج نے درو دیوار ہلا دیے۔ ملک اپنے محل میں کانپ اُٹھی۔ بجلی کا دُوسرا دھماکہ ہوا اور آسمان سے آگ کے شعلے پیک پیک کر یہی ہال کی فوجوں اور ہاتھیوں پر گرنے لگے۔ ایسے لگتا تھا جیسے آسمان سے آگ کی بارش ہو رہی ہے۔ یہی ہال کی فوجوں میں بھگدڑ مچ گئی : ہاتھی گھبرا کر اُلٹے بھاگے اور اپنی ہی فوجوں کو کچلنے لگے۔ بجلی بار بار کڑک کر شعلے کی طرح فوجوں پر گر رہی تھی اور فوجیں صہم ہو کر راکھ بن رہی تھیں۔ دیکھتے دیکھتے میدان جنگ دشمن کی فوجوں کی لاشوں، گھوڑوں، ہاتھیوں کی آدھ جلی لاشوں سے بھر گیا۔ یہی ہال حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اُس کی آدھی فوج مر گئی تھی اور باقی فوج کے قدم اکھڑ گئے تھے اور

وہ جدھر منہ اٹھا بھاگ رہی تھی۔ دوپہر تک سارا میدان خالی ہو گیا۔ بجلی کے شعلے نے ہیننی بال کے ماتحتی پر بھی حملہ کیا۔ ہیننی بال ماتحتی سے کود کر اپنے گھوڑے پر آیا اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دہال سے فرار ہو گیا۔ دشمن بھاگ گیا تھا۔ میدان جنگ میں دشمن کے سپاہیوں کی جلی ہوئی لاشوں کے پنجر پڑے تھے۔ ملک جنگ جیت چکی تھی۔ وہ خوشی سے نہال ہو رہی تھی۔ اُس نے آگے بڑھ کر عنبر کی پیشانی چوم لی اور کہا :

”عنبر! اگر تم ہماری مدد نہ کرتے تو اس وقت ہمارے محل میں آگ لگی ہوتی اور ہم زنجیروں میں جکڑے دشمن کی قید میں ہوتے۔ ہم تمہارا یہ احسان ساری عمر نہ بھول سکیں گے۔“
عنبر نے کہا :

”اے ملک! میں نے جو کچھ کیا اپنا فرض ادا کیا ہے اور پھر نہ تو یہ میرا جادو تھا اور نہ کچھ اور — یہ صرف ظالم کے خلاف میرے خدائے واحد نے مظلوم کی مدد کی ہے۔ ہیننی بال نے ڈاکو اور غاصب بن کر آپ کے ملک پر حملہ کیا تھا۔ اُس کو اُس کی سزا مل گئی۔“

وزیر دربار نے کہا :

”پھر بھی اے نوجوان! یہ سب کچھ تمہاری دہر سے ہوا۔ اس جنگ کی فتح کا سہرا تمہارے سر پر ہے۔“

ملکہ نے اُسی وقت حکم دیا کہ عنبر کو شاہی خلعت پہنا کر دربار میں پیش کیا جائے۔ شام کو دربار لگا۔ عنبر شاہی لباس پہنے دربار میں سب سے آگے بیٹھا تھا۔ ملکہ نے خود تخت سے اُتر کر عنبر کے گلے میں سونے کا شاہی مار ڈالا اور اسے شاہی مشیر خاص کا ہیرے جواہرات سے جڑا ہوا شاہی عصا سطا کیا۔ عنبر نے ادب سے ملکہ کو سلام کیا اور اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا۔

عنبر کو ملکہ نو بیہ کے دربار میں ایک بلند مقام حاصل ہو گیا تھا اور جیسے کہ ہوا کرتا ہے، محل میں کئی درباری اس کی اس اعلیٰ حیثیت سے حسد کرنے لگے اور اُس کے خلاف ممدائی سازشیں شروع کر دیں۔ عنبر دیانت داری، ایمان داری اور سچائی سے اپنا فرض ادا کرتا رہا۔ ملکہ کو اُس پر بے حد بھروسہ تھا۔ جب تک ملکہ زندہ رہی اُس کی طرف کسی نے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ لیکن آخر ملکہ مر گئی۔ ملکہ کی موت کے بعد اُس کا نا اہل سپہ سالار تخت پر بیٹھ گیا۔ اس کو دربار کے سازشی گروہ کی حمایت حاصل تھی یہ سارا گروہ عنبر کے خلاف تھا۔ آخر اُنہوں نے اس کو عنبر کو گرفتار کروا دیا۔ سپہ سالار بادشاہ کو یقین دلا دیا کہ عنبر بغاوت کر کے خود تخت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ سپہ سالار بادشاہ نے عنبر کو ہاتھی کے پاؤں تلے پھنسل دینے کا حکم دے دیا۔

اُسے کیا معلوم تھا کہ عنبر کبھی نہیں مرنے والا تھا۔

میدان میں ہاتھی لایا گیا۔ عنبر کو لٹا کر اس کے اوپر تختہ ڈال کر ہاتھی کو اُس کے اوپر کھڑا کر دیا گیا۔ مگر عنبر کو کچھ بھی نہ ہوا۔ بلکہ لٹا ہوا ہاتھی دڑ کر چیختا ہوا واپس اُٹھ دوڑا اور اُس نے دو سپاہیوں کو پھل دیا۔ سب سالار حیران رہ گیا۔ اُس نے کہا کہ عنبر کو قید کر دو۔ کل اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ عنبر کو جیل خانے میں ڈال دیا گیا۔ مگر وہ دوسری بار لوگوں کو اپنی خفیہ طاقت کا کرشمہ نہیں دکھانا چاہتا تھا۔ اب اس کا دل وہاں سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ آدھی رات کو اُس نے طلحہ کی رُوح سے مدد مانگی جس نے اُسے قلعے کی جیل سے اٹھا کر باہر رکھ دیا۔ عنبر گھوڑے پر سوار ہوا اور اُسے سرپٹ دوڑاتا ملک بابل کی طرف روانہ ہو گیا۔

بابلی اور نے نوا کی وادی پر فرد کی حکومت تھی۔ اس نے انسانی کھوپڑیوں کا مینار بنا رکھا تھا۔ عنبر کو فرد کے ملک میں کیا کیا مشکلیں پیش آئیں؟ آخر وہ کس طرح فرد کے ظلم کا مقابلہ کرتا رہا اور وہاں سے فرار ہوا؟ جند رہیں رقص کرنے والی دیو واپسی کون تھی؟ یہ سب کچھ اس ناول کے تیسرے حصے ”پچانسی کے تختے پر تیں پڑھیں۔“